ہم
ماتم
کیوں کرتے ہیں؟
مجیب عبدالکریم مشتاق
ہم
ماتم
کیوں کرتے ہیں؟
مجیب عبدالکریم مشتاق

ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟

بجواب

"ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟"

مجیب
عبدالکریم مشتاق

ناشر
رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران و تاجران کتب
بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

نام کتاب ... ... ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟

بجواب کتاب ... ... ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟

مجیب ... ... عبدالکریم مشتاق

پیشکش ... ... اکبر ابن حسن

کتابت ... ... اختر علی اختر

پرنٹر ... ... نفیس اکیڈمی آفسیٹ پرنٹرز

قیمت ... ...

شائع کردہ

رحمت اللہ بک ایجنسی ناشران وتاجران کتب

بمبئی بازار نزد خوجہ شیعہ اثنا عشری مسجد کھارادر کراچی ۲

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ وآلہ الطاہرین

دینِ اسلام کی قبولیت سے زندگی، پیغمبرِ اسلام کے اہلبیتؑ کی مودت سے زندگی کو تابندگی، نصیب ہوتی ہے۔ بڑا خوش قسمت ہے وہ انسان جس نے اپنے قلب کو ان کے ذکر کے نور سے منور کر لیا ہے اور اسی روشنی میں زندگی کی منازل کو طے کرتا جاتا ہے۔

اسلام میں چار مہینوں کو حرمت والے مہینے اعتقاد کیا جاتا ہے (۱) ذی قعدہ (۲) ذی الحجہ (۳) محرم (۴) رجب۔ ان مہینوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی کفارِ عرب آپس میں جنگ و جدال روک دیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ان مہینوں میں لڑائی جھگڑا، فساد، قتل و غارت کو کبیرہ گناہ فرمایا گیا ہے۔ یعنی یہ ایام امن ہیں۔ حتیٰ کہ غیروں سے بھی اس زمانہ میں جنگ منع ہے۔ چونکہ پاکستان کی اساس نظریہٴ اسلام ہے اور نظامِ اسلام کے نفاذ کی کوششیں اب تیز ہو رہی ہیں لہٰذا تمام مسلمانانِ پاکستان کو چاہیئے کہ ماہِ محرم میں خصوصاً امن و امان کا لحاظ رکھیں ایک دوسرے کے کام آئیں۔ کسی کا دل نہ دکھائیں۔ مظلوموں کی یاد سے روح کو فرحت پہنچائیں۔ ایمان کو اخوت و محبت سے مستحکم کریں۔ اور خانوادہٴ رسولؐ کی قربانیوں سے سبق سیکھیں اور آزمائش کی گھڑیوں میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا مصمم عہد کریں۔

بد قسمتی سے ہمارے ملک میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ملت کا اتحاد و اتفاق سخت ناگوار ہے۔ شروع میں ان لوگوں نے قیامِ مملکتِ اسلامیہ کی سر توڑ مخالفت کی لیکن جب ان کی امیدوں پر پانی پھر گیا تو اب استحکامِ وطن اُن کے سینے پر سانپ بن کر لوٹتا رہتا ہے۔ اور ہر وقت ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس ملک کو کمزور بنائیں۔ چنانچہ وہ ہمہ تن اس موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ناپاک ارادوں میں کامیابی حاصل کرلیں۔ لیکن افرادِ ملت اب بیدار ہو چکے ہیں۔ وہ خبردار ہیں لہٰذا بدخواہوں کے تمام حیلے اور خفیہ تدابیر خاک میں ملتی نظر آتی ہیں۔ عزاداری سید الشہدا علیہ السلام اسلامی اتحاد و اخوت کا ایک اہم جزو ہے۔ لیکن اتفاق و تنظیم کے دشمن محرم الحرام کے مہینے میں خدا کے حکم کے خلاف اس جزو اتحاد کے خلاف زہر افشانی کرکے فسادات و بدامنی کے اسباب پیدا کرتے رہتے ہیں حالانکہ نہ ہی ہم نے کسی کو بھی شریکِ عزا بننے کی دعوت دی ہے اور نہ ہی ہماری عزاداری سے کسی غیر کو کوئی نقصان ہوتا ہے۔

شیعانِ تلہ گنگ کی طرف سے ایک چو ورقہ بنام "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟" شائع ہوا جس میں مشہور جناب ذاکر غلام عباس (بی۔ اے) نے اٹھارہ دلیلیں تحریر کرکے بتایا کہ ہم شیعہ ماتم کیوں کرتے ہیں۔ اس پمفلٹ میں نہ کسی فرد پر تنقید کی گئی ہے اور نہ ہی کوئی ایسا جملہ ہے جو کسی بھی مکتبِ فکر کے لئے باعثِ رنج یا خلافِ رواداری ہو۔ بلکہ ذاکر موصوف نے اپنے موقف کو انتہائی سلیقہ مندی و اختصار کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے پیش کیا ہے جو اُن کا اخلاقی و شہری ہی نہیں بلکہ دینی و شرعی حق تھا۔

قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہل سنت والجماعۃ چکوال جن کو شیعہ مذہب کے خلاف زہر اگلنے کی عادت ہو چکی ہے معلوم نہیں کس وجہ سے ان چار ورقوں کو برداشت نہ کرسکے لہٰذا اڑتالیس صفحات میں ایک کتابچہ بنام "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے"

لکھ کر ذکرِ حسینؑ کے خلاف اپنے بغض و عناد کا علانیہ مظاہرہ کیا۔ اس ناشائستہ اور کمزور دلائل سے بھرپور کتابچہ کا دندان شکن جواب تو چکوال ہی سے انجمن حیدری بھون روڈ کی جانب سے آغا سید واصف حسین صاحب نقوی مدظلہ نے فلاح الکونین فی عزاء الحسینؑ کی شکل میں دے کر شیعہ قوم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ سنہ ۱۹۷۳ء کی شائع شدہ یہ کتاب علمی و تحریری لاجواب ہے اور قاضی صاحب نے اس کا جواب دینے کی جرأت نہیں کی ہے۔ تاہم اپنی کتاب ہر سال شائع کرتے ہیں مگر جواب کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ مسکت و مدلل کتاب کی موجودگی میں دوسرا جواب لکھنا ضروری تو نہیں ہے مگر بعض ناقابلِ نظر انداز وجوہات کی بنا پر کتاب ہذا کی اشاعت ضروری سمجھی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ سعی قابلِ قبول ہوگی۔

مصنف

شکوہ

از قلم :- جناب مومن علی حیدری (جہلم)

شکوہ ہے مجھے اُن سے جو ماتم نہیں کرتے ٭ بنتے ہیں محب چشم کو پُرنم نہیں کرتے
ممکن نہیں دل روتا ہو اور اشک نہ چھلکیں ٭ دعوٰیٔ محبت ہے تو کیوں غم نہیں کرتے
ہم کیسے سمجھ لیں غمِ شبیرؑ ہے دل میں ٭ جو سوگ کی تنظیم محرّم نہیں کرتے
غم دل میں اگر ہوتا تو اظہار بھی ہوتا ٭ تم کیسے عزادار ہو ماتم نہیں کرتے
فطرت جنہیں رُلواتی ہے احباب کے غم میں ٭ افسوس کوئی ان آنکھوں پہ تم دم نہیں کرتے
جب دل پہ لگے چوٹ تو پھر ضبط کہاں ہو ٭ فریاد ستم دیدہ کبھی کم نہیں کرتے
احباب کی آپس میں جب ہوتی ہے جدائی ٭ وہ اشک فشانی بھلا کیوں کم نہیں کرتے
پتھر کا کلیجہ کرو، فطرت کو بگاڑو ٭ پھر کہنا کہ ہم زندوں پہ ماتم نہیں کرتے
کیا زندۂ جاوید نہ تھے حضرت حمزہؓ؟ ٭ کیوں ضبط بکا سرورِ عالم نہیں کرتے
کیوں فاطمہؑ نے باپ کے مرنے پہ بکا کی؟ ٭ وہ روئیں مگر آنکھ کو تم نم نہیں کرتے
ازواج نے کیوں لاشِ نبیؐ پر نہ کہا یہ؟ ٭ ہم زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے
ہابیل کے کیوں غم میں بکا کرتے تھے آدمؑ؟ ٭ غور اس پہ کبھی منظرِ بے دم نہیں کرتے
قانونِ فطرت سے یہ کیوں طعنہ زنی ہے ٭ بے عقلی پہ کیوں اپنی ہی ماتم نہیں کرتے
اس ضبط کے قربان پئے جاتے ہو آنسو ٭ سنتے ہو مصائب مگر غم نہیں کرتے
مومن کی یہ نظم اُن کو سنائے کوئی جاکر ٭ جو زندۂ جاوید کا ماتم نہیں کرتے

ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟

اِس لئے کہ :- ہم حساس دل ہیں، سنگدل نہیں۔ مظلوم ہیں، ظالم نہیں۔ مقتول ہیں، قاتل نہیں۔ لُٹے ہوئے ہیں، لٹیرے نہیں۔ دوست ہیں، دشمن نہیں۔ اللہ کے فضل و کرم سے ہم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلیم کئے ہوئے حقیقی دینِ اسلام پر قائم ہیں۔ اور ولی کل حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت کی بدولت نعمتِ ایمانیہ سے مشرف ہیں۔ مودۃ القربیٰ جیسی متاعِ عظیم سے مالامال ہیں۔ ہمارے اسلام و ایمان کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہم محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ ان کی غضبناکی کے ابتلاء میں ناراض ہوں۔ اُن کے غم کو اپنے آلام پر ترجیح دیں۔ ہمارا ماتم کرنا اور عزاداری کی دیگر رسوم کو بجالانا اسی بنیادی تقاضے کے ماتحت ہے کہ محبوب کی خوشی میں خوشی مناتے ہیں، اور اس کے غم میں غم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ہم سُن کر ایمان لائے ہوئے اندھے، گونگے، بہرے نہیں ہیں۔ بلکہ ہم نے اسلام کو عقلاً فطرت سے ہم آہنگ پایا ہے۔ ہمارا اسلام دینِ فطرت ہے۔ اور فطرتِ انسانیہ تو رہی ایک طرف، کائنات کی ہر شے (جاندار و غیر جاندار)، عالمِ مصیبت میں غمگین دکھائی دیتی ہے۔ غم و اندوہ کے مواقع پر انسان تو ملول ہو ہی جاتا ہے اور اشک رواں بھی ہوتی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہابیل کے خونِ ناحق میں پہاڑ کے پتھر کے آنسو جاری ہوئے۔ آج بھی دمشق میں پتھر کی روتی ہوئی آنکھ موجود ہے۔ بنی آدم کا نوحہ و فریاد تو عام مشاہدہ میں ہے لیکن ہم دیکھ سکتے ہیں کہ پرندے بھی مقاماتِ سوگ میں آہ و فغاں کرتے ہیں۔ سانحۂ پُرملال پر ہمیں گلیاں و بازار

بھی نمونہ دکھائی دیتے ہیں۔ فضاؤں پر سناٹے طاری ہو جاتے ہیں اور یہ تمام امور شدت و کیفیت غم کے مطابق رونما ہوتے ہیں۔ جتنی بڑی مصیبت ہوتی ہے اتنا ہی غم ہوتا ہے پس جس قدر غم ہوتا ہے اسی اعتبار سے اظہار غم بھی کرتے ہیں۔

ہم عشق حقیقی کے امتحانوں سے واقف ہیں اور ہمارے بزرگ ان امتحانوں کو اعزازی اسناد کے ساتھ پاس کر چکے ہیں۔ ہم وہ لذت جانتے ہیں جو اپنے محبوب کے غم نصیب ہوتی ہے۔ لہٰذا ماتم کر کے جو مزا آتا ہے وہ غیر درد آشنا کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

کارخانہ ہستی کے تمام معاملات اضافت و اعتبارات پر قائم ہیں۔ نسبت ہی عزت و عظمت و محبت کے مراتب میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ لہٰذا ماتم حسینؑ جو عزاداری کی اہم رسم ہے۔ اسے بجا لا کر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک غم ہوتے ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حضورؐ اپنے نواسہ کی زندگی ہی میں محض خبر شہادت پر محزون ہو گئے۔

ہم ماتم اس لئے کرتے ہیں کہ قاتلان حسین اور ان کے ہمدرد و رفقا ہمیشہ ہی یہ چاہتے رہے ہیں تذکرہ شہادت حسینؑ ختم ہو جائے مگر اللہ کا وعدہ ہے یہ ذکر ہمیشہ جاری رہے۔ لہٰذا ماتم ہی ایک ایسا ذریعہ تبلیغ ہے جو ظالم و مظلوم میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ مظلوم کے لئے محبت و ہمدردی کے جذبات کو پیدا کرتا ہے اور ظالموں کے خلاف نفرت و حقارت میں اضافہ کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے ماتم کے مخالفین اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ قاضی مظہر حسین صاحب ”ہم ماتم کیوں نہیں کرتے“ کے ص ۲ پر لکھتے ہیں۔

مروجہ ماتم

”جگر گوشۂ بتول نواسۂ رسول، جوانان جنت کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کربلا کی بنیاد پر ہر سال ماتمی ٹولہ جس طرح مجلس ماتم برپا کرتا ہے اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔

سیاہ کپڑے پہننا، زبان سے ہائے حسین ہائے حسین پکارتے ہوئے منہ پیٹنا، سینہ کوبی کرنا۔ زنجیروں اور چھریوں سے اپنے سینوں کو لہولہان کرنا (اور جو ان زخموں کی تاب نہ لاکر مر جائے اس کو شہید قرار دینا) تابوت۔ تعزیہ اور دلدل (ذوالجناح) کا جلوس نکالنا وغیرہ۔“

اس قسم کے مروجہ ماتم کو عبادت ماننے والوں پر یہ لازم تھا کہ قرآن شریف، حدیث شریف، سیرۃ انبیاء اور سیرت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ماتم کی مروجہ شکل و صورت کو ثابت کرتے لیکن جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے تو یہ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا پھر خدا جانے شاکر صاحب تعلیم یافتہ ہو کر اس بے بنیاد اور انتہائی غیر موزوں رسالہ کو کیونکر موزوں قرار دے رہے ہیں۔ بہرحال مذکورہ دلائل کا نمبر وار جواب حسب ذیل ہے:

قاضی صاحب کے اس مطالبہ کو آئندہ صفحات میں پورا کر دیا جائے گا۔ پہلے ہم ڈاکٹر غلام عباس صاحب کے دلائل پر قاضی جی کا جوابی تبصرہ نقل کر کے اپنے معروضات پیش کرتے ہیں۔

دلیل نمبر ۱

اللہ تعالیٰ قرآن مجید پارہ ۱۳ سورۂ یوسف ۸۴ میں فرماتا ہے

”اور اس نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے افسوس یوسف پر اور غم و اندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں۔“

ثابت ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹے یوسفؑ کے فراق کے غم میں رو رو کر اپنی آنکھیں سفید کر دیں۔ حالانکہ آپ نبی تھے اور جانتے تھے کہ حضرت یوسفؑ زندہ ہیں۔ اللہ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔ دوسری طرف حضرت یوسفؑ بھی اس بات کو جانتے تھے اور انہوں نے اپنی قمیص

روانہ کی جس کو حضرت یعقوبؑ نے اپنے چہرہ مبارک پر مَلا تو انہی
دوبارہ نظر حاصل ہو گئی۔

قاضی صاحب کا جواب

(ہم ماتم کیوں کرتے ہیں صـــ ۲۳)

(۱) وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ
كَظِيمٌ (القرآن)

"اور آپ کی آنکھیں حزن (غم) سے سفید ہو گئیں۔ پس وہ غم کو اپنے اندر رو
والے تھے۔"

ماتمی رسالہ میں فَهُوَ كَظِيمٌ کا ترجمہ اسی لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے ما
کرنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ کظیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں بہت صدمہ
لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبرِ جمیل ہے جس کا اعلا
آپ نے اس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسفؑ کو بھ
کھا گیا ہے۔"

(۲) آیت میں نہ منہ پیٹنے کا لفظ ہے نہ سینہ کوبی اور ماتم کا بلکہ صرف حُزن
لفظ ہے جس کا معنی صرف غم و اندوہ ہے۔

(۳) حضرت یوسفؑ کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا
لیکن جب دورِ فراق ختم ہوا اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تختِ مصر پر
ہونے کی بشارت ملی تو پھر آپ کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی واپ
لوٹ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو
اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیا
غم و اندوہ گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے
اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ
اعزہ و احباب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی شہادت کا درجہ پانے
بعد جب آپ کو جنت مل گئی تو پہلی مصیبت ختم ہو گئی۔

اب شہدائے کربلا کی روحوں کو جب آیاتِ قرآنی جنت کا رزق ملتا ہے۔ اور
وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقعہ ہے۔ ہم تو حضرت یعقوب
علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر
کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل
ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ کیا ماتمیوں کو
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے۔
اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں۔

(۴) حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب
علیہ السلام نے اس گذری ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد
کی تھی؟

(۵) حضرت حسینؓ کے لئے سانحہ کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا جس
میں آپ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہوئے تو اب واہ واہ حسین امام کربلا کی شان کے
مناسب ہے یا ہائے حسین ہائے حسین۔ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ واہ
واہ کرے اور جو نعوذ باللہ فیل سمجھتا ہے وہ ہائے ہائے کرتا رہے ؂

"نگاہ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی"

(۶) پاکستان میں کتنے ماتمی ایسے ہیں جو امام حسینؓ کے غم میں اندھے ہوئے ہیں؟

جواب الجواب دلیل نمبر ا

ا۔ آغا سید واصف حسین صاحب نقوی نے "فلاح الکونین فی عزاء الحسین"
میں قاضی صاحب کو بڑا عمدہ جواب دیا ہے اور میرا بھی یہی جی چاہتا ہے کہ اسی
کو دہرا دوں۔ آغا صاحب تحریر کرتے ہیں کہ یہ قاضی صاحب کی غلط فہمی ہے کہ فَهُوَ
كَظِيمٌ کا ترجمہ ذاکر غلام عباس صاحب نے اس لئے ترک کر دیا کہ اس سے ماتم

نہ کرنا ثابت ہوتا ہے۔ بے شک کظیم کے معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والا ہیں مگر قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب نے اس غم کو دور نہیں کیا تھا۔ وہ ہمیشہ زبان اور آنکھوں سے اس جدائی کا اظہار کرتے رہے۔ چنانچہ قاضی جی کے ہم مسلک مولوی اشرف علی تھانوی فھو کظیم کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ یعقوبؑ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے۔" یہی ترجمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید اس کی تصریح کرتا ہے۔ برادرانِ یوسفؑ کی اپنے باپؑ سے گفتگو کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

"بخدا معلوم ہوتا ہے کہ تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے، یہاں تک کہ گھل گھل کر دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل ہی مر جاؤ گے۔"

(ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی)

قرآن مجید میں محفوظ یہ کلام ثابت کرتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ اس درجہ سوگوار تھے کہ شدتِ غم دیکھ کر بیٹوں کو باپ کی ہلاکت کا خطرہ لاحق تھا۔ حضرت یعقوبؑ کا حزن و ملال، رنج والم اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور ندبہ تھا، جو بآواز بلند کیا جاتا ہے۔ یَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ ۔ ہائے افسوس یوسفؑ پر!

جب بیٹوں نے آپ کی عزاداری پر اعتراض کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ "میں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔"

پس از روئے قرآن ہی ثابت ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اس قدر گریہ و بکا کیا کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب بہ ہلاکت ہو گئے۔ اب قابل غور امر ہے کہ اس شدتِ اظہار سوگواری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یعقوبؑ کی اس عزاداری کو صبر جمیل فرمایا۔ لہٰذا یہ خیال قرآن کے برخلاف ثابت ہوا کہ اظہارِ غم میں سوگوار ہونا یعنی عزاداری کرنا صبر کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رونے دھونے سے یعقوبؑ کو کبھی بھی منع نہ کیا۔ لہٰذا قاضی صاحب کا یہ خیال قطعاً خلافِ قرآن ٹھہرا کہ "کظیم" کے معنی اس شخص کے ہیں جو دل کے صدمہ کا اظہار نہ کرے۔ بلکہ

اس کے معنی ضبط و برداشت کرنے کے ہیں جس سے عزاداری کا مفہوم متاثر نہیں ہوتا ہے۔

اس قصہ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یعقوبؑ کے غم کا باعث بننے والے ہی آپؑ کی عزاداری پر معترض ہوتے تھے لہٰذا غور فرمائیں اب عزاداری کے مخالفین کا شمار کس جماعت میں کیا جا سکتا ہے؟

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا تفسیری حاشیہ

"کسی مصیبت پر رونا اور مغموم و محزون ہونا صبر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ اس لئے کہ یہ مقتضیات بشریت سے ہے۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپؐ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آئے۔ انہیں بے ہوش پا کر روئے۔ حاضرین حضورؐ کے رونے سے رو پڑے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اشکِ چشم و حزنِ دل پر عذاب نہیں کرتا یعنی شکایت و کلمات خلاف سے نوحہ کرنے سے عذاب ہوتا ہے۔"

(مترجم قرآن مجید مولوی اشرف علی تھانوی مطبوعہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور صفحہ ۳۶۹)

"صبر" کے معنی اہلسنت حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی زبان سے

مولوی تھانوی سورہ یوسف کی آیت ۸۶ کی تفسیر کے حاشیہ میں "صبر" کے معنی حضرت یعقوب کے نزدیک یوں لکھتے ہیں کہ جب اُن کے بیٹوں نے باپ کی عزاداری پر اعتراض کیا تو انہوں نے یہ سمجھایا کہ :-

"یعنی تم کیا مجھ کو صبر سکھاؤ گے لیکن بے صبر وہ ہے جو خلق کے آگے شکایت کرے خالق کی تو میں تو اس سے کہتا ہوں جس نے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد تک پہنچ کر بس ہو۔"

(مترجم قرآن مجید مولوی تھانوی حوالہ مذکورہ)

مولوی شبیر احمد عثمانی کی تفسیر

جید عالم مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی اس واقعہ کی تفسیر میں حاشیہ لکھتے ہیں کہ "نیا زخم کھا کر پرانا زخم ہرا ہو گیا۔ اور بے اختیار پکار اُٹھے یَا اَسَفَا عَلٰی یُوْسُفَ۔ ہائے افسوس یوسف پر!"

اب ایمان سے فیصلہ کیا جائے کہ جب مخالفین یادِ حسینؑ پر پابندی لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور ذکرِ حسینؑ کرنے پر اعتراض کرتے ہیں تو حسینؑ کے عزاداروں کا پرانا زخم ہرا ہوتا ہے یا نہیں۔ پس اگر ہم یا حسینؑ، ہائے حسینؑ، مظلوم حسینؑ کہہ کر اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں تو یہ اتباعِ سنتِ یعقوبؑ ہے۔ اور اس کی مخالفت نبی برحق کی سنت کی مخالفت ہے لہٰذا مخالفِ سنت کو اہلسنت کہلوانے کا حق حاصل نہیں ہے۔

لفظ "حُزْن" کی تشریح

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ میں لفظ "حزن" پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس لفظ کے دامن میں ماتم کا ایک بحرِ بیکراں موجزن ہے جس میں آہ و فغاں، نالہ و فریاد گریہ و ماتم سب کچھ ہے۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کا حزن جسے آپ معمولی غم و اندوہ کہہ کر نظر انداز کر رہے ہیں۔ بنگاہِ قرآن میں اس قدر غیر معمولی اور شدید تھا کہ اس غم میں پیغمبر کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اللہ کا نبی قریب المرگ ہو گیا۔ عزاداری کی ایسی نہائی کیفیت بیان کرنے کے بعد ماتم، سینہ زنی وغیرہ کا تذکرہ بلاغتِ کلام کے منافی ہو جاتا۔ کیونکہ جب کہا جائے کہ مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا اور انہوں نے سیر ہو کر کھایا۔ تو اس سے مطلب یہ ہوگا، کہ کھانا دسترخوان پر چنا گیا۔ خورد و نوش کے لوازمات سامنے رکھے گئے۔ پانی پیش کیا گیا۔ مہمانوں نے حسبِ آداب تناول کیا اور میزبانوں نے قواعد کے موافق اہتمام کیا۔ اس پورے بندوبست کی تمام اضافی کیفیات نظر انداز کر کے محض کھانا کھا لینا از خود یہ معنی پیدا کر دے گا تمام مطلوبہ معاونین افعال سرزد ہونے کے بعد ایک مجموعہ افعال فعل

کھانا وجود میں آیا۔ پس جب خدا نے یعقوبؑ کے صدمے کی اتنی شدت بیان کی کہ ان کی ہلاکت کا خدشہ پیدا ہونے لگا تو پھر ماتم و سینہ کوبی جیسے کمتر افعال کے بیان کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ لہٰذا حضرت یعقوبؑ کی عزاداری کے مقابلہ میں ہمارا ماتم کر لینا کچھ حیثیت ہی نہیں رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی برحق معصوم کا ایک نبی زادہ کے غم میں ماتم کناں رہنا اس امر کے جواز کی دلیل ہے کہ آہ و فغاں، گریہ و بکا کرنا حضرت یعقوبؑ کی سنت ہے مذموم فعل نہیں۔

واضح ہو کہ قاضی صاحب نے خود ماتم کے مفہوم میں ہائے حسینؑ پکارنے اور سینہ زنی و سیاہ پوشی وغیرہ کو معاونین ماتم و عزاداری تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح قاضی صاحب یہ بھی مانتے ہیں کہ "جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اس کا صدمہ لاحق رہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں۔"

لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ عزاداری حرام نہیں ہے اور چونکہ اہلبیت رسولؐ ہمارے محبوب ہیں اور اُن پر مصیبت باقی ہے ان کی زندگیاں پر مصائب رہیں اور بعد میں لوگوں نے اُن کے نام لینے اور ذکر کرنے کو حرام قرار دے کر اُن کو رنج و صدمہ پہنچایا جو ابھی تک جاری ہے لہٰذا ہمارا محزون و مغموم ہونا ہرگز گناہ میں شمار نہیں ہوتا۔ یہ اللہ کی شان اور حق کا بول بالا ہے کہ قاضی جیسے کٹر مخالف عزاداری نے اعتراف جواز کو سپردِ قلم کر دیا۔

۳۔ وقتی صدمہ

بے شک شہدائے کربلا نے وقتی طور پر مصائب اُٹھائے اور بعد میں جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے لیکن یہ خیال کہ ان کے مصائب پر اب سوگوار ہونا درست نہیں قطعاً باطل ہے۔ اس لئے کہ سُنّتِ رسالت مآبؐ یہ ہے کہ آپؐ اس سانحہ پُر ملال کے وجود میں آنے سے قبل ہی عزادار رہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف کے باب مناقب اہل بیت میں ہے کہ

"ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دن رسولِ خداؐ کی خدمت میں امام حسینؑ کو جبکہ وہ ایک دن کے تھے لے کر حاضر ہوئی اور حسینؑ کو حضورؐ کی گود

میں دیا۔ میں نے آپؐ کی طرف دیکھا آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے عرض کیا حضورؐ یہ گریہ کیسا فرمایا: میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور انہوں نے خبر دی کہ میری اُمت میرے اس بیٹے کو قتل کر دے گی۔"

عزادارِ اُمت

اسی طرح مُلا حسین واعظ کاشفی اپنی کتاب "روضۃ الشہدا" میں روایت لکھتے ہوئے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں کہ :-

"ام الفضل کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا" اے فاطمہؑ! یہ حادثہ حسینؑ کے بچپن میں نہ ہوگا بلکہ اس وقت ہوگا جبکہ نہ میں ہوں گا اور نہ تم ہوگی" نہ علیؑ ہوں گے اور نہ حسنؑ۔ یہ سُن کر جناب سیدہؑ بے حد بے تاب ہوئیں اور کہا۔ اے مظلوم پسر! اے بیکس فرزند جبکہ اس وقت تیرے جد، پدر، مادر و برادر نہ ہوں گے تو کون ہوگا جو اس وقت تیری مصیبت کی تعزیت بجا لائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہاتف نے آواز دی حسینؑ کا ماتم مصیبت زدگانِ اُمت قیامت تک برپا رکھیں گے اور ہر سال جب وہ وقت آئے گا جس میں حسینؑ شہید ہوں گے تو وہ تعزیت حسینؑ کو تازہ کیا کریں گے اور شرطِ مصیبت کو بجالایا کریں گے۔"

اب صاحبانِ انصاف فیصلہ فرمائیں وہ اُمت کا کون سا گروہ ہے جو ہر سال تعزیت حسینؑ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ کیا یہ وہی ماتمی ٹولہ نہیں جو شرطِ مصیبت بجالاتا ہے جس کی مخالفت کر کے آپ سیدہؑ مظلومہ کی دلآزاری کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

پس امام حسینؑ کی دنیوی زندگی میں رسول کریمؐ کا رنج والم اور گریہ و بکا اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ حضورؐ امام مظلوم کی شہادت سے مابعد کی وہ حیات جس کو ہم اور آپ سمجھ ہی نہیں سکتے حسینؑ پر گریہ و بکا، نوحہ اور ماتم کرنا حرام نہیں بلکہ سنتِ رسولؐ ہے۔ سُنتِ نبوی کو ناجائز اور حرام کہنا کسی بھی دعویدار اہلِ سُنت کو زیب نہیں دیتا ہے۔

۴۔ یادگارِ غم

یہ انسانی فطرت ہے کہ ایامِ مصیبت گذر جانے کے بعد بھی جب انسان کو گذری مصیبت یاد آتی ہے تو اسے حزن غم سی

ہوتا ہے۔ اور اکثر اپنے احباب و رشتہ دار کے سامنے اس پُر ملال واقعہ کا تذکرہ کرتا رہتا ہے۔ اسی فطری تقاضے کے تحت دنیا والے اپنے عزا و اقربا، دینی و دنیوی راہنماؤں اور بزرگوں کے ایام مناتے ہیں۔ آج کے دورِ جدید میں بین الاقوامی سطح پر ایسے دن منائے جاتے ہیں۔ مثلاً یکم مئی کو یوم مئی منا کر شکاگو کے محنت کشوں پر ظلم کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کا دن صرف گھر والے یا خویش و اقارب مناتے ہیں، کسی کا صرف اس کے پیروکار اور کسی کا ساری دنیا۔

اسی فطری تقاضے کے پیشِ نظر جب حضرت یوسفؑ کی جدائی والا دن آتا ہوگا یا کبھی حضرت یعقوبؑ کی نظر "شجرۃ الوداع" پر پڑتی ہوگی تو یعقوبؑ کو ضرور اپنی مصیبت یاد آتی ہوگی۔ ایک عام درخت کہ جہاں سے یوسفؑ کو وداع کیا گیا تھا کا اس قدر مشہور ہو جانا کہ اس کا نام ہی "شجرۃ الوداع" ہو گیا۔ اگر یادگار نہیں ہے تو پھر کیا ہے۔ جب ہزاروں سال بیت جانے کے بعد "شجرۃ الوداع" کا نام آتے ہی حضرت یوسفؑ کے نقوش ذہن پر ابھر آتے ہیں تو کیا جب کبھی بھی یعقوبؑ اس کو دیکھتے ہوں گے تو وہ اپنی مصیبت کو یاد نہ کرتے ہوں گے۔ کوئی اسے مانے یا نہ مانے بہرحال فطرت اس کی تائید کرنے پر مجبور ہے۔

شہداء کی ہر سال یاد منانا سُنتِ رسولؐ بھی ہے اور طریق اصحابِ ثلاثہ بھی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی قبروں پر ہر سال تشریف لاتے تھے۔ جب پہاڑ کے درہ پر پہنچتے تو (شہیدوں کو مخاطب کر کے) فرماتے (السلام علیکم بما صبرتم" یعنی تمہارے صبر کے باعث تم پر سلامتی ہو۔ اور اس کے انجام میں تم بہت عمدہ مقام پر پہنچے ہو۔ پھر نبی صلعم کے بعد حضرت ابوبکر بھی (ہر سال) آتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمرؓ کا کام بھی یہی تھا۔ اور پھر حضرت عثمانؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔"

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۲ صہ مطبوعہ بیروت)

قاضی صاحب تو حضرت یعقوبؑ کے بارے میں ہر سال یادگار منانے کا سوال کرتے ہیں جبکہ حضرت یوسفؑ بظاہر شہید نہ ہوئے بلکہ زندہ مل گئے۔ مگر یہاں اشرف الانبیاءؐ، شیخین صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ اور ذوالنورینؓ جیسی بڑی ہستیاں ہر سال شہدائے احد کی یاد مناتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر دیکھنے کے لئے آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح حضورؐ اور خلفائے اہلسنت جلوس کی شکل میں ہر سال شہداء کی قبروں پر جاتے تھے۔ اسی طرح ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ ہر سال ایام محرم میں کربلا معلی جا کر سید الشہداءؑ اور ان کے اصحاب کی زیارت کے لئے جائیں۔ اس خواہش کی تکمیل ہم ماتمی جلوس نکال کر حسب استطاعت گریہ و ماتم سے ان عاشقانِ حقیقی کو سلام اور نذرانہ پیش کرتے ہیں اس لئے اگر اگر کوئی اچھا کام پورا نہ ہو سکے تو کم سے کم اس کا جس قدر بھی ہو سکے کر لینا بہتر ہے۔ اب اگر اس اچھائی کو کوئی اچھا نہ جانے تو اس کا سبب محض عداوتِ حسینؑ اور بغضِ آلِ رسولؐ ہی ہو سکتا ہے۔

ہائے حسینؑ یا واہ حسینؑ

۵۔ بلا شبہ امام حسینؑ نے کربلا کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا اور اس کامیابی پر انہیں واہ حسینؑ کہنا پڑتا ہے۔ لیکن جس ایثار و قربانی اور محنت کے عوض آپؑ کو یہ کامیابی حاصل ہوئی وہ معلوم کر کے ہائے حسینؑ بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے۔ اور یہ تقاضائے بشریت ہے کہ کسی کارنامہ کے سرانجام دینے پر شخصِ کامران کو پیش آنے والے صدمات پر افسوس کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ اس کی ظفریابی پر اُسے ہدیۂ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔ ہماری عزاداری بیک وقت دونوں تقاضے پورے کرتی ہے۔ ایک طرف کامیابی پر دادِ تحسین کے حقوق ادا کرتی ہے تو دوسری جانب آلام و مصائب پر تعزیت کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

بنی نوعِ انسان کا ہر طبقہ اس سے عملاً اتفاق کرتا ہے کہ جب کوئی بھی شخص کسی فلاحی مقصد کے لئے جان جوکھوں میں ڈال کر کامیابی حاصل کرتا ہے تو اس کے جھیلے ہوئے مصائب و صدمات کو یاد رکھا جاتا ہے۔ اور اگر وہ اپنی جان پر کھیل کر اپنے نیک مقصد میں کامران ہوتا ہے تو اس کے ایثارِ جانی کو ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا جاتا ہے۔ اور اظہارِ تعزیت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا ہے۔ اس غم گساری اور ماتم داری سے نہ ہی اس کی کامیابی پر کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی سوگواروں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ غمزدہ ہونے کی وجہ سے اس کی حاصل کردہ کامیابی پر ناخوش ہیں۔ پاکستان میں ۱۹۶۵ء کی جنگ اور ۱۹۷۱ء کے سانحہ میں پاک افواج کے جن بہادر جوانوں نے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمائے اُن کو بھی بھر کر قوم نے نذرانہ سلام پیش کیا۔ مگر ہم نے خود ٹی۔ وی پر دیکھا کہ اُن کے لواحقین کے آنسو بہہ رہے تھے اور شکلیں مغموم تھیں۔ اسی طرح ملکی اخبارات نے اگر اُن کی شجاعت کو واہ واہ کہہ کر دادِ تحسین دی تو اُن کے بچھڑ جانے پر ہائے افسوس بھی کہا۔ اور یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس سے انکار محض ہٹ دھرمی ہو گا۔

اہل سنت حضرات اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا۔ لہٰذا صحابہ کو چاہیئے تھا کہ اُن کے مرتبۂ شہادت پر فائز ہونے کی خوشی میں اظہارِ مسرت کرتے مگر راوی کہتا ہے کہ

"جب حضرت عمرؓ کی وفات ہوئی تو لوگوں پر اتنا غم طاری ہوا کہ انہوں نے کھانا پینا چھوڑ دیا" جناب عباس (بن عبدالمطلب) نے کہا کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کی موت ایک مصیبت تھی لیکن جس طرح ہم ان کے انتقال کے بعد بھی کھاتے پیتے رہے اسی طرح عمرؓ کی وفات کے بعد بھی کھائیں گے۔ پھر انہوں نے خود بھی کھایا

اور بعد میں لوگوں نے بھی کھانا کھایا۔"

(تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۳۵۷)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اصحاب نے غم کے موقعوں پر ملول ہو کر کھانا پینا تک ترک کر کے سوگواری کی اور حضرت عمر کے انتقال پر حضرت عباس بن عبدالمطلب نے لوگوں کو کھانے پینے کی طرف رغبت دلائی۔ اسی طرح اصحاب نے وفاتِ عمر پر بین بھی کئے جیسا کہ مشہور علامہ اہلحدیث مولوی وحیدالزماں حیدرآبادی نے تحریر کیا ہے کہ:۔

"قال اویس القرنی بعد وفات عمر یا عمراہ یا عمراہ یا عمراہ" یعنی حضرت عمر کی وفات کے بعد (عاشق رسول) خواجہ اویس قرنیؓ نے یا عمراہ یعنی ہائے عمر، ہائے عمر، ہائے عمر کہہ کر بین کئے۔

(ہدیۃ المہدی جلد ۱ صفحہ ۲۳ مطبوعہ دہلی)

اگر معترض کے نظریہ کے مطابق شہید کے لئے ہائے کی بجائے صرف واہ کہنا درست ہے تو پھر حضرت اویسؓ نے اس کا لحاظ کیوں نہ رکھا۔ کیا حضرت اویسؓ یا دیگر اصحاب و تابعین حضرت عمر کو امتحان میں فیل سمجھ رہے تھے یا ان کی نگاہ و پسند کا تصور تھا؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے دنبہ ذبح ہوا۔ باپ بیٹا امتحان میں کامیابی کی سند حاصل کر کے گھر لوٹے مگر حضرت ہاجرہ کو جب یہ سارا معاملہ معلوم ہوا تو جیسے ہی بیٹے کے گلے کا وہ مقام دیکھا جہاں حضرت ابراہیمؑ نے چھری رکھی تھی تو ماں کے دل پر چھری چل گئی۔ محض یہ خیال آتے ہی کہ اگر یہ چھری سچ مچ چل جاتی تو پھر کیا ہوتا غش کھا کر گر گئیں اور مفسرین کے بیان کے مطابق اسی صدمہ سے گھل گھل کر اس جہانِ فانی سے کوچ فرما گئیں۔

اگر آپ کا من گھڑت خیال درست ہے تو بی بی صاحبہ کو تو دوسری خوشی منانا چاہیئے تھی ایک جان بچنے کی دوسری امتحان میں کامیابی کی لہٰذا حضرت ہاجرہؑ

کو واہ اسماعیلؑ واہ اسماعیلؑ کہتے کہتے پھولا نہیں سمانا چاہیئے تھا۔ مگر وہ ماں تھیں دشمن نہیں۔ جو بیٹے کی تکلیف سُن کر خوش ہوتی۔ پس آپ بڑے شوق سے واہ واہ کریں لیکن ملحوظِ خاطر رکھیں کہ محبوب کی مصیبت سُن کر یا دیکھ کر مُحب کو تو رنج و صدمہ پہنچتا ہے اور دشمن کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ جس کسی کے دل میں حسین علیہ السلام کی محبت ہوگی وہ تو اُن کی مظلومیت پر خُون کے آنسو بہائے گا مگر سنگدل دشمن واہ واہ کر کے اس ظلم کو دادِ شجاعت دے گا۔

خبرِ شہادت پر مسرور ہونا چاہیئے یا مغموم؟

اِس سوال کا جواب خواجہ حسن نظامی مرحوم نے بڑے جامع و معقول انداز میں دیا ہے۔ جناب مصورِ فطرت تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"ایک نہایت باریک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شہادت مفید اور ضروری شے ہے تو اس کے سبب ماتم کیوں کیا جاتا ہے؟ غمگینی اور افسوس کو اس سے کیا تعلق۔ آہ و بکا کا اس سے کیا سروکار؟ مگر یہ کچھ ایسی بات نہیں جس کا جواب نہ ہو سکے جو چیز شہید ہو رہی ہے اس کو تو اپنی موت کا کوئی افسوس اور غم نہیں ہوتا وہ بے پرواہی اور اطمینان سے اپنی ہستی کو مٹانے پر آمادہ ہوتی ہے۔ مگر دوسروں کے دل پر اس کی چوٹ لگنا فطری امر ہے۔ بشرطیکہ ان کے دلوں میں آدمیت کی حس اور آدمیت کا مادہ بھی ہو۔"

(ماخوذ از رسالہ "شہید کربلا" مرتبہ ابرار احمد صدیقی)

جس کے دل میں آدمیت کی حس اور انسانیت کا مادہ ہوگا یقیناً اس پر چوٹ لگے گی اور "ہائے حسینؑ" کہہ اُٹھے گا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے زمانہ میں جتنے غزوات ہوئے ان میں کئی صحابہ شہید ہوئے۔ جو سب کے سب اپنے اپنے مراتب و مقامات پر امتحان میں پاس ہوئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سید الشہدا ہیں ان کو خصوصی سند ملی لیکن کسی جگہ یہ معلوم نہیں ہو سکا سرکارِ دو عالمؐ نے کسی شہید کی شہادت پر مسرت و شادمانی

کا اظہار فرمایا ہو۔ یا واہ واہ کی ہو۔ حالانکہ اگر یہ من گھڑت خیال درست ہوتا، تو جناب سید الشہدا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر تو رسولؐ کو واہ واہ کے واشگاف نعرے بلند کرنے چاہیئے تھے، لیکن کتب میں اس کے برعکس مرقوم ہے کہ آپؐ حضرت حمزہؓ کی شہادت پر خود روئے، بین کئے اور نوحہ و ماتم کرنے والی عورتوں کو مدعو کیا اور ان رونے والیوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ ملاحظہ کریں سیرۃ النبیؐ، استیعاب جلد ۱ ص ۳۴۵، معارج النبوۃ رکن ۲ باب ۱۰ ص ۱۲۳ وغیرہ۔

پس شبیرؑ کے مصائب پر ماتم برپا کرنا یعنی "ہائے حسینؑ" کہنا عین سنتِ رسولؐ ہے۔ اس کے برعکس شہادت پر خوشیاں منانا اور "واہ حسینؑ" کہہ کہہ کر ماتم کو چھپانا سنتِ رسولؐ سے ثابت نہیں ہے۔

اندھا کیا جانے بسنت کی بہار!

۶۔ میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ غمِ حسینؑ میں پُرخلوص گریہ زاری نابینے کو بینا کر دیتی ہے۔ یہ محض عقیدت نہیں بلکہ آزمودہ نسخہ ہے۔ معتبر گواہوں کے بیان سے معلوم ہوا کہ لاہور کی کربلا گامے شاہ میں ایک اندھا عزادار چند لمحوں میں آہ و زاری اور ماتم زنی کرتے ہوئے شفا پا گیا۔ اس نے حسینؑ مظلوم کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی اور کھوئی ہوئی بصارت حاصل کر گیا۔ لیکن قاضی جی پوچھتے ہیں کہ پاکستان میں کتنے ماتمی ایسے ہیں جو حسینؑ کے غم میں اندھے ہوئے۔ میرا جواب یہ ہے کہ حسینؑ کا غم اندھوں کو روشنی دیتا ہے۔ جس طرح یوسفؑ کے کرتہ نے یعقوبؑ کی آنکھوں کی روشنی لوٹائی تھی اسی طرح حسینؑ کے جرنیل، علیؑ کے لال عباس علمدارؑ کے علَم کا پھریرا اپنے شیعوں کی بصارت کے لئے حفظ ما تقدم کا کام کرتا ہے۔ تاہم جن ملنگوں نے محض زیارت کے لئے اپنے اعضا کٹوا لیے، تن و من کی بازی لگا دی، ان کے سامنے آنکھیں سفید کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ دعائے مادرِ حسینؑ کی برکت ہے کہ اس کے فرزند کی مصیبت میں بہائے گئے اشک جنت کے موتیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں

اور بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ بشری اعتبار سے اگر کسی عزادار کو عارضہ لاحق ہو بھی جائے تو اس کی باطنی بصیرت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ مخالف کی ظاہری بصارت اُس کے سامنے چُندھیا جاتی ہے۔

مشہور فاتح نادر شاہ دُرّانی جب فتحیابی کے بعد اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے روضہ اقدس پر زیارت پڑھنے کے لئے آتا ہے تو اُسے در حرم پر ایک نابینا سائل دکھائی دیتا ہے۔ نادر شاہ حکم دیتا ہے کہ اگر یہ اندھا میری حاضری سے واپس آنے تک بینا نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے۔ وہ گداگر جب نادر شاہی فرمان سُنتا ہے تو اس کے پیروں تلے زمین نکل جاتی ہے۔ جان کے لالے پڑتے ہیں تو حسینؑ کے والد کو مشکل کشائی کے لئے پورے یقین و گریہ زاری اور خضوع و خشوع سے پکارتا ہے دل سے جو آہ نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ آہ بارگاہ تک رسائی پاتی ہے۔ نادر کے لوٹنے سے قبل اندھے فقیر کی بینائی پلٹ آتی ہے۔ جب نادر شاہ یہ اعجاز دیکھتا ہے تو اظہارِ مسرت سے جھوم اُٹھتا ہے اور سائل کی جھولی بھرنے کا حکم دے دیتا ہے۔

شیعہ خوش قسمتی سے دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہیں۔ "ہائے حسینؑ" کہہ کر چشم نظارہ کو جو تسکین حاصل ہوتی ہے اس کا ادراک کورچشم اور بدنظر کو ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ خدا کی قسم! "ہائے حسینؑ، واہ حسینؑ" کے چکر سے نکل کر حسینؑ کے غم میں ایک ہی آنسو بہا کر جنت خریدی جا سکتی ہے۔ کیونکہ محبتِ اہل بیتؑ میں بہایا ہوا ایک اشکِ غم دنیا و آخرت کے غموں سے نجات دینے کا ضامن بن جاتا ہے۔

دلیل نمبر ۲

القرآن پارہ نمبر ۷ سورۃ المائدہ آیت ۸۳ "اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول کی طرف اتارا گیا تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔"

ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے نزدیک رونا عارفین حق

کا فعل ہے اور فعل حسن ہے۔ قرآن کے نزدیک آنکھوں

سے آنسو کا جاری ہونا حق کو پہچاننے کی علامت ہے۔

قاضی مظہر صاحب کا جواب

(۱) یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ملک حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ شریف پہنچے تھے۔ اور جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے قرآن مجید سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ مسلمان ہو گئے۔ یہاں تو صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی قرآن سننے پر۔ اس کو تمہارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟

(۲) اگر ماتمیوں کے نزدیک اس آیت کا مطلب ماتم کرنا ہے تو پھر قرآن سننے پر ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالٰی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

ہمارا جواب

قطع نظر اس بات کے کہ قاضی صاحب کا بیان بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی جو حبشہ سے مدینہ آئے حالانکہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی تفسیر موضح القرآن میں اس کی تفسیر اس طرح لکھتے ہیں کہ:-

"مکے میں کافروں نے جب مسلمانوں پر ظلم کیا تو آنحضرت صلعم نے اذن دیا کہ اور ملک میں نکل جاؤ۔ قریب اسی آدمی مسلمان بعض تنہا اور بعض گھر سمیت چلے جا رہے۔ وہاں کا بادشاہ خوب منصف مزاج تھا۔ پھر مکے کے کافروں نے اس کو بہکایا کہ اس قوم کو رہنے نہ دو۔ یہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو غلام کہتے ہیں۔ بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سنا۔ اور اس کے علما بہت روئے اور کہا حضرت عیسٰی کی زبان سے ہم کو اسی موافق پہنچا ہے۔ اور ہم کو خبر دی ہے حضرت عیسٰی نے کہ میرے بعد پیش از قیامت ایک اور نبی آئے گا بے شک یہی وہ نبی ہے۔ وہ بادشاہ نجاشی مسلمان ہوا۔ یہ آیات اُن کے حق میں نازل ہوئیں"۔

آنکھوں سے آنسو جاری ہونے ہی کو رونا کہا جاتا ہے۔ اور رونا ماتم ہی کا ایک رکن ہے۔ لہٰذا ماتم سے اس کا تعلق از خود ثابت ہو گیا۔ ایسا تعلق دریافت کرنا بالکل ویسا ہے کہ کرسی بنانے والے ترکھان سے لکڑی کاٹنے کا تعلق "کرسی سازی" سے پوچھا جائے۔

قرآن کلام حق ہے۔ اور شہادت حسینؑ بھی حق ہے۔ قرآن صامت ہے اور حسینؑ قرآن ناطق ہیں۔ حدیث ثقلین کی رو سے دونوں دائمی ساتھی ہیں۔ ان میں جدائی نہیں۔ جس طرح اہل ایمان کلام حق سن کر متاثر ہوتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ذکر شہادت حسینؑ کو سن کر اہل حق کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اور چونکہ حسینؑ مجسم قرآن ہیں۔ لہٰذا اُن کے مصائب کے ذکر سے اشک افشانی سے بڑھ کر جذبات رقت فطرتاً سینہ کوبی پر مجبور کر دیتے ہیں۔

ہم بچپن میں واعظین سے سنا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حسنؑ و حسینؑ کھیلتے ہوئے مسجد نبوی میں آئے اور انہوں نے قرآن کا زینہ بنا کر اس پر قدم رکھے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ حسنینؑ نے قرآن کی بے ادبی کر دی۔ جب صاحب قرآن رسولؐ تک یہ معاملہ پہنچا تو آپ نے جواب دیا کہ قرآن پر قرآن چڑھ جانے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حسین و قرآن ہم شان ہیں۔

اب رہا قرآن سننے پر ماتم کرنے کا سوال تو جواب یہ ہے کہ حسین ذی حیات ہیں اُن پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے لہٰذا ذکر حسین سن کر حساس دل ماتم داری پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن کتاب کو نہ ہی بھوکا پیاسا ذبح کیا گیا اور نہ ہی اس کے گنبے کو قیدی بنا کر در بدر پھرایا گیا۔ تاہم کتاب میں تذکرہ ہائے غم سے قاری و سامع دونوں مغموم و محزون ہوتے جو کہ ایک فطری امر ہے۔

گریۂ انبیاءؑ

صحیح سمجھ یہی ہے کہ مقامات حزن و ملال پر عزاداری کے تقاضے پورے کئے جائیں۔ یہی انبیاء کرامؑ کا شعار رہا۔ چنانچہ

مرقوم ہے :-

"اپنے مصائب پر آدمؑ، نوحؑ اور داؤدؑ سب روئے ان کی ب[illegible]
ناجائز نہ سمجھی گئی۔" (تفسیر کبیر جلد ۱ ص۳۴۳ امام رازی)

اسی طرح سعد بن وقاص نے پیغمبرِ خدا سے روایت کی ہے کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشکباری کرو اور اگر ر[illegible]
نہ آئے تو رونے والی صورت بناؤ۔"
(سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص۲۸۵ مطبوعہ مصر ۱۳۱۳ھ)

پس ہماری ماتم داری کو ناجائز کہنا دراصل انبیاء کرامؑ اور سید المرسل[illegible]
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر اعتراض کرنا ہے۔

دلیل نمبر ۳

القرآن۔ اس موقع کہ جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو
ارشاد ہوا "نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین نے گریہ کیا۔ نہ انہیں
اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی۔" اس سے ثابت ہوا کہ قرآنی
نقطۂ نظر سے بد اعمالی کا تقاضا یہ ہے کہ بد اعمال پر نہ رویا جائے
اس کے مقابل جو حسن عمل رکھتے ہوں وہ مستحقِ گریہ ہیں۔"

الجواب القاضی

(۱) اس آیت میں نہ شہادت کا ذکر ہے نہ ماتم کا۔ تو اس[illegible]
مروجہ ماتم کیسے ثابت ہو گیا۔

(۲) اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے کہ نیک لوگوں پر رونا چاہیئے۔

(۳) کیا ماتمی لوگ زمین و آسمان کے مذہب کے پیرو ہیں۔

(۴) اگر اللہ کے مقبول اور صالح بندے مستحقِ گریہ ہیں تو پھر امام حسنؓ اور دیگر
صلحائے اُمت کی وفات پر ہر سال کیوں گریہ و ماتم کی مجلس بپا نہیں کرتے۔

جواب الاحقر

(۱) اس آیت میں اگر شہادت کا ذکر نہیں تو کم سے کم مصیبت و
ہلاکت کا تذکرہ ضرور موجود ہے۔ اور گریہ و بکا ماتم ہی
کی ذیلی شاخ ہے۔

(۲) بیانِ قرآن سے معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ اندازِ گفتگو
کس نوعیت کا ہے۔ کہ خدا فرماتا ہے سرکش فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا تو نہ
آسمان رویا نہ زمین۔ مراد اس سے یہ ہے کہ اس غرقابی و ہلاکت پر کسی نے افسوس
کے آنسو نہ بہائے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خدا کے باغی کو بعد از ہلاکت یہ سزا ملی کہ اس پر کسی نے
گریہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ کسی کی مصیبت کے وقت آنسو بہانا ایک پسندیدہ فعل ہے۔
جو شخص دشمنِ خدا کے لئے وجود میں نہ آیا۔ لہٰذا بطورِ عبرت اس کا تذکرہ کیا گیا کہ فرعون ایسا
برا آدمی تھا کہ اس کی موت کے بعد اسے کوئی نہ رویا۔ اگر وہ نیک ہوتا آسمان و زمین
اس کے لئے اشک روانی کرتے۔ یہاں آسمان و زمین کے رونے سے مراد اہلیانِ ارض و
سما بھی ہو سکتے ہیں۔ پس ذاکر غلام عباس صاحب کی دلیل مستحکم ہے کہ بد اعمال
کے لئے گریہ زاری نہ ہوئی۔ اور اسی کو بطورِ طعن برائے عبرت بیان کیا گیا کہ اگر فرعون
اور اس کے لشکر کے نقشِ قدم پر چلو گے تو ذلت کی موت بھی مرو گے اور تمہارا
کوئی عزادار بھی نہ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر اطاعتِ خداوندی میں جان دو گے تو عزت
کی موت سے حیاتِ دوام بھی پا جاؤ گے اور زمین و آسمان تمہارے مصائب پر گریہ زاری
کریں گے۔

اسی طرح کا ایک تذکرہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ہے کہ جب کافر قوم پر عذاب
ہوا تو آپ نے فرمایا میں اس شریر قوم کے معذّب ہونے کا افسوس نہیں کرتا یعنی
اگر یہ نیک لوگ ہوتے اور ان پر مصیبت آتی تو میں اظہارِ تعزیت کرتا۔ اب چونکہ
یہ بدکار تھے اس لئے میں ان کا غم نہیں مناتا۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے کہ
"پس ان کو زلزلے نے آپکڑا۔ سو اپنے گھروں میں اوندھے کے اوندھے پڑے
رہ گئے۔ جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی ان کی یہ حالت ہو گئی کہ جیسے ان گھروں

میں کبھی ایسے ہی نہ تھے۔ جنہوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے۔ اس وقت شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے گئے اور فرمانے لگے اے میری قوم میں نے تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچا دیئے تھے۔ اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی۔ پھر میں ان کافر لوگوں پر افسوس (رنج) کیوں کروں۔"

(سورۃ الاعراف پ۹ آیت ۹۱ تا ۹۳)

حضرت شعیبؑ کے اس بیان سے مومن کا غم منانا صریحاً ثابت ہوتا ہے پس نہ صرف غلام عباس صاحب کی پیش کردہ آیت سے نیک لوگوں پر رونا ثابت ہوا ہے بلکہ قصۂ شعیبؑ سے بھی صالح افراد کی مصیبت پر اظہار افسوس کرنے کا جواز نکلتا ہے۔

۳۔ زمین و آسمان ہمارے ہم مذہب ہیں

جس طرح ہم خدا کی توحید، محمدؐ کی نبوت و رسالت اور علیؑ کی ولایت پر ایمان لائے ہوئے اسی طرح زمین و آسمان کا بھی یہی مذہب ہے جس طرح ہم حسینؑ مظلوم کے غم میں عزادار ہیں اسی طرح ارض و سما بھی ہمارے ساتھ شریک غم ہیں۔

۴۔ امام حسنؑ اور دیگر شہدا کی مجالس عزا

کون کہتا ہے کہ ہم امام حسنؑ اور دیگر شہدا و صلحاء کی مجالس عزا برپا نہیں کرتے۔ ۲۸ صفر کو امام حسنؑ کی شہادت کا دن ہر سال یوم عزا کے طور پر شیعہ برادری میں منایا جاتا ہے اور اسی طرح آئمہ اطہار و مومنین کرام کی یاد میں گاہے بگاہے مجالس عزا کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دلیل نمبر ۴

حضرت آدمؑ نے حضرت ہابیل کی شہادت پر مرثیہ پڑھا اور پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا اور ہر سال جب وہ دن آتا اس دن مرثیہ پڑھ کر خود روتے اور دوسروں کو رلایا کرتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر جلد دوم صفحہ ۴۰۶ مطبوعہ مصر)

قاضی صاحب کا جواب

(۱) ہابیل کی شہادت پر قرآن میں تو حضرت آدم کے رونے رلانے کا ذکر تک نہیں ہے۔ باقی رہی تفسیر تو ابن کثیر میں بھی وہ عبارت نہیں ملتی جو اس پمفلٹ میں درج کی گئی ہے۔ بلکہ تفسیر ابن کثیر میں تو اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ:۔

"کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کے غم دور ہونے اور ہنسی آنے کی دعا کی۔ الخ

(تفسیر ابن کثیر مترجم جلد اول ص ۸۶)

فرمایئے کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدم ہر سال غم کی مجلس قائم کرتے تھے یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کے غم کو دور کرنے کی دعا کی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ غم دور کرنا ضروری ہے نہ کہ باقی رکھنا۔

(۲) حضرت آدم نے نہ منہ پیٹا اور نہ سینہ کوبی کی اور نہ کالے کپڑے پہنے تو آج لوگ یہ کام کر کے کس کی سنت کی پیروی کرتے ہیں؟

(۳) اگر تمہیں شہادت حسینؑ کا غم ہے تو ساری عمر کے لئے ہنسنا اور خوشی کرنا چھوڑ دو۔

والپسی جواب

(۱) منقولہ بالا دلیل روایت معنوی میں لکھی گئی ہے نہ کہ روایت لفظی میں قرآن مجید کا تذکرہ تو کیا ہی نہیں مگر تفسیر ابن کثیر کو شہادت بنایا گیا ہے۔ جسے خود معترض نے معنوی لحاظ سے تسلیم کیا ہے کہ "اس صدمہ سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال تک انہیں ہنسی نہ آئی۔ آخر فرشتوں نے ان کا غم دور ہونے اور ہنسی آنے کی دعا کی۔"

اب یہ بات عقلاً ثابت ہے کہ اگر حضرت آدم علیٰ نبینا مصروف گریہ و بکا نہ ہوتے تو فرشتوں کو آپ کے لئے ہنسنے اور خوش ہونے کی دعا کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ فرشتوں کا دعا کرنا بذات خود حضرت آدمؑ کی مصیبت میں ان سے اظہار تعزیت و ہمدردی کرنا ظاہر کرتا ہے۔ اگر غمگین ہونا گناہ ہوتا فرشتوں جیسی معصوم مخلوق ایک گناہ کار بندے کے لئے دعا نہ کرتی۔ فرشتوں کا دعا کرنا ظاہر کرتا ہے

کہ آدمؑ کا غم حق تھا۔ لہٰذا امرِ حق کی مخالفت باطل پرست ہی کیا کرتے ہیں۔ اگر عزاداری مذموم فعل ہوتا تو خدا اپنے خلیفہ کی سرزنش کرتا یا فرشتے اس کی مذمت کرتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ غم ایک ایسی کیفیت ہے جس کا تعلق سراسر فطرت سے ہے۔ نہ ہی انسان کے بس میں غم کو دور کرنا ہے اور نہ ہی باقی رکھنا۔ غم کو بھلانے کی مصنوعی کوششیں ہمیشہ خطرناک ثابت ہوئی ہیں۔ پس فرشتوں کی دعا سے یہ بات ہرگز اخذ نہیں ہوتی کہ غم دور کرنا ضروری ہے نہ کہ باقی رکھنا۔"

آدمؑ و حوّا کی طویل المدت نوحہ خوانی

ابوالبشر حضرت آدمؑ اور ام البشر حضرت بی بی حوّا طویل مدت تک حضرت ہابیلؑ پر نوحہ کرتے رہے اور ان کے آنسوؤں کا پانی نہر کی مانند جاری ہوا۔

(تاریخ یعقوبی جلد ۱ صفحہ ۳)

اسی طرح حضرت آدمؑ کے گریہ و بکا کی کیفیت ملا حسین واعظ کاشفی نے تحریر کی ہے کہ دائیں آنکھ مانند آبِ دجلہ اور بائیں آنکھ مثلِ آبِ فرات جاری رہی۔

(روضۃ الشہداء صفحہ ۳۰)

۲۔ ماتم سنّتِ آدمؑ ہے

"جب آدم علیہ السلام نے رحلت کا ذکر سُنا تو روح حرکت میں آگئی۔ سر پیٹ کر کہا کہ یہ دفغان برپا کر دیا (آہ و زاری فرمائی) اور اس سنّت کو اپنی اولاد کے درمیان چھوڑ گئے۔"

(معارج النبوۃ ملا معین رکن اوّل صفحہ ۲۲ ج ۲)

سیاہ پوشی

حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ ابتدائی دور تھا رسم و رواج اور رنگ و خز کا اجرا نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر بھی لاش کو دفن کرنے کا سبق سکھانے کے لئے خدا نے کوّے کو سیاہ پروں کا لباس پہنا کر بھیجا جس سے ثابت ہوا کہ کالا لباس بحالتِ غم مرضاتِ الٰہیہ سے ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے غُراب کے پروں کو کالے کے علاوہ کوئی اور رنگ بھی عطا کر سکتا تھا۔

ہم کالے لباس کو غم کے مواقع پر پہننا اپنا مذہبی شعار سمجھتے ہیں اور اپنے مخالف

سے پوچھتے ہیں کہ قتلِ عثمان پر لوگوں نے سیاہ پوشی کیوں کی جیسا کہ لکھا ہے کہ "حضرت عثمان کے قتل کے روز جماعت نے سیاہ لباس پہنا۔" اگر کالا لباس پہننا ناجائز تھا تو پھر حضرت عثمان کے غم میں ان کے سوگواروں نے اسے کیوں زیبِ تن کیا؟

۳۰۔ بقولِ آغا واصف صاحب یہ قانونِ عادتِ جاریہ ہے کہ خوشی کی محفلوں مسرت کی تقریبوں میں غم کا ذکر نہ ہو کیونکہ یہ بُرا شگون ہوتا ہے۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السّلام کے غم نے عادتِ جاریہ کے اس قانون کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ عزادارانِ حسینؑ، شبیرؑ کے رونے والے ولادت ہو، عروسی ہو یا اور کوئی تقریب مسرت جب تک عزائے امامؑ میں آنسو نہ بہا لیں تب تک اس تقریب کو مکمل نہیں سمجھتے۔ پس ہماری ساری عمر کا سرمایہ عزائے حسینؑ ہے اور ہمارا ہنسنا یا خوش ہونا بھی یادِ حسینؑ سے مربوط رہتا ہے۔ اور ہم ہر دم یہی دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے اللہ سوائے غمِ حسینؑ کے ہمیں ہر غم سے محفوظ رکھ۔

دلیل نمبر ۵

حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہ کی وفات پر ماتم اور گریہ کیا۔

(پیدائش باب ۲۳ توریت)

دلیل نمبر ۷

حضرت شعیبؑ دس برس تک روتے رہے جس کے سبب سے آپ آنکھوں سے نابینا ہو گئے۔

(توریت صفحہ ۳۶۱)

دلیل نمبر ۸

حضرت ہارونؑ نے پہاڑ پر وفات پائی جہاں حضرت موسیٰؑ

تیس دن ان کا ماتم کرتے رہے اور تیس دن گذرنے کے بعد پہاڑ سے دیگر ہمراہیوں کے ساتھ اُترے۔

(توریت باب ۲۰)

جوابِ قاضی

(۱) ان عبارتوں میں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ پھر مروجہ ماتم کیونکر ثابت ہوا؟

(۲) قرآن کے بعد تورات۔ انجیل وغیرہ آسمانی کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں جن کی عبارتیں مسلمانوں کے لئے حجت نہیں ہیں۔ کیونکہ اصلی آسمانی کتابوں میں تبدیلی ہو گئی ہے۔

(۳) اگر تورات۔ انجیل کے مذہب کی پیروی کرنی ہے تو کیا اس پر بھی ایمان لاؤ گے جو تورات میں لکھا ہے کہ:۔

(ا) حضرت یعقوبؑ نے خدا کے ساتھ کشتی کی تھی۔ نعوذ باللہ۔

(پیدائش ص۴۶)

(ب) حضرت لوطؑ نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی تھی۔ استغفراللہ۔

(پیدائش ص۲۴)

خاکسار کا جواب

مروّجہ ماتم سے عقیدہ

۱۔ منقولہ بالا عبارات میں ماتم و گریہ کرنے کے الفاظ بالصراحت موجود ہیں۔ پھر معلوم نہیں وہ مروّجہ ماتم کون سا ہے جو ثابت نہ ہوا۔ آپ کا شاطرانہ طرز پر بار بار "مروجہ ماتم" لکھنا اس بات کا از خود ثبوت ہے کہ آپ کو "ماتم" پر نفسی و فقہی لحاظ سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مروّجہ اشکال یا طریق اور رسم و رواج سے اختلاف ہے۔ یعنی اصولی لحاظ سے آپ "ماتم" کو جائز سمجھتے

ہیں مگر فروعی اختلاف کے باعث "مروّجہ ماتم" پر معترض ہیں۔

آسمانی کُتب

۲۔ بلاشبہ منسوخ شدہ کُتبِ آسمانی ہمارے لئے حجت نہیں ہیں لیکن اگر قرآن مجید کی تصدیق اِن کتب سے ہوتی ہو تو ان مصدقات کو ماننا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے ان کتابوں پر ایمان لانا صفتِ ایمان میں شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ علماء نے ان کتب کو محرّف و منسوخ سمجھ کر حجت تو تسلیم نہیں کیا لیکن تفسیری معلومات کے لئے ان کتابوں کو ماخذ مانا گیا ہے خصوصاً پیش گوئیاں کے طور پر جو واقعات بیان کئے گئے تھے وہ درست ثابت ہوئے ہیں۔ اور اغلب خیال یہ ہے کہ پیش گوئیوں میں تحریف برائے نام ہوئی ہے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے اکثر ان کتابوں میں مرقوم نشانیاں جو پیغمبر اسلام اور دینِ اسلام سے متعلق ہیں بطورِ شواہد اپنے دلائل و براہین میں شامل کئے ہیں۔ زمانۂ رسول میں بھی مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہوتے رہے اور خصوصاً خلیفۂ اہلسنت حضرت عمر بن خطاب کو تو کتبِ سابقہ سے گہرا شغف تھا۔ لہٰذا محض یہ کہہ کر کہ یہ کتب منسوخ ہیں ان کو ٹھکرا دینا کافی نہیں ہو گا۔ جب کہ خود قرآن نے اِن کی تصدیق کی ہو۔

صاحبانِ علم اس بات سے عملاً متفق ہیں کہ توریت و انجیل کے وہی احکام منسوخ سمجھے جاتے ہیں جن کے نسخ پر قرآن مجید کی صراحت ہو۔ ورنہ اہل اسلام کے لئے بھی حجت ہوں گی۔ اب اگر معترض میں کوئی علمی دم خم ہے تو قرآن کریم سے اس حکم کا نسخ ثابت کریں حالانکہ توریت سے پوری طرح ثابت ہے کہ ایام محرم الحرام میں غم و سوگ منانے کا حکم عام قانونِ ابدی کی حیثیت رکھتا ہے۔

توریت و انجیل کی پیروی

اسلامی کتبِ تفاسیر میں مرقوم انبیاء کرام علیہم السلام اور پچھلی اُمتوں کے حالات و واقعات کا تقریباً ایک تہائی حصّہ توریت ہی سے ماخوذ ہے۔ اور بعض ایسے واقعات بھی درج ہیں جن سے نبیوں کی عصمت مجروح ہوتی ہے بلکہ انبیاء کی توہین ہوتی ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا۔ حضرت داؤدؑ کا شادی شدہ

عورت سے عشق لڑانا۔ حضرت یعقوبؑ کا اپنی والدہ کی ایما پر اپنے والد حضرت اسحاق کو بکری کے کباب کھلا کر دھوکہ سے نبوت حاصل کرنا وغیرہ وغیرہ تمام واہیات قصے مذہب سُنیہ کی کتابوں میں مثبوت و منقول ہیں۔ اگر ایسی رکیک و شنیع باتوں کی تائید آپ کے مذہب میں کر لی گئی ہے تو پھر "ا" اور "ب" کو مان لینا بھی آپ سے بعید نہ ہوگا بلکہ "ب" کو عموماً آپ کا ایک طبقہ مانتا ہے۔ تعجب ہے خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مسجد فضیح میں بیٹھ کر شراب پینے کا الزام لگانے والا گروہ ہمیں توراۃ و انجیل کے مذہب کی پیروی کا طعنہ و مشورہ دیتا ہے۔ کاش بات کہنے سے پہلے سوچ لیتے۔ گریبان میں جھانک لیتے!

الہامی کُتب سابقہ میں ایامِ عزا منانے کا ابدی حکم

بلند اقبال آغا واصف حسین صاحب نے مخالفین کے دانت کھٹے کرتے ہوئے دندان شکن سوال دریافت کیا ہے کہ اگر گذشتہ الہامی کتابیں مطلق منسوخ شدہ ہیں تو پھر خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کو ان کتابوں سے کیوں ثابت کرتے ہو؟

کیونکہ ان کتابوں میں نازل شدہ پیش گوئیاں بعد میں حرف بحرف سچی ثابت ہوئی ہیں لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ ان کتابوں میں درج بعض باتیں غیر مبدل ہیں۔ مولوی عبدالعزیز حنفی اہل سنت کے بلند پایہ عالم ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "بشارت احمدیہ" میں ایک مکالمہ نقل کیا ہے جو دیدوں اور اوترا کھنڈ سے ماخوذ ہے موصوف کے مطابق کم از کم چھ ہزار برس قبل کی بات ہے کہ گفتگو "مہادیو جی" اور "رانی پاربتی" کے مابین ہوئی۔ اس میں حضرت آدمؑ کی خلقت آپ کی اولاد کا حال بیان ہوا ہے اور پھر سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے اہل بیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالعزیز صاحب تحریر کرتے ہیں کہ :۔

"مہامت (محمدؐ) کے ان دونوں نواسوں کو شریر لوگ ناحق ظلم کر کے دنیا (اقتدار) کی خاطر مار ڈالیں گے۔ اور ساری زمین ان کے مار ڈالنے سے بے سر ہو جائے گی۔ اور ان کے مار ڈالنے والے ملیچھ ہوں گے۔ دین و دنیا سے مردود ہو جائیں گے۔ ان کے دل میں مہامت (محمدؐ) کی محبت نہ رہے گی۔ اور عاقبت میں کسی طرح سے خلاصی نہ پائیں گے۔ وہ لوگ ظاہر میں مہامت (محمدؐ) کے دین میں رہیں گے۔ پھر آہستہ آہستہ اور لوگ بھی ان کی گمراہی قبول کریں گے۔ مہامت (محمدؐ) اور مہامت (محمدؐ) کے فرزندوں کے چال چلن کے خلاف بہت سے کام ضد سے اختیار کریں گے۔ تھوڑے سے آدمی مہامت (محمدؐ) کے فرزندوں کی راہ پر رہیں گے۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے کام کریں گے اور ظاہر میں مہامت (محمدؐ) کے دوست کہلائیں گے۔ ایسے ظاہر داری کرنے والے لوگ کل جگ (آخری زمانہ) میں بہت ہونگے اور سارے جہان میں فساد برپا کریں گے۔"

کثرت پر ناز کرنے والوں کو جلی عبارت پر خوب غور کرنے کی دعوت ہے۔

"کتاب مقدس" پرانا عہد نامہ کتاب (احبار) کے باب ۲۳ کے فقرہ ۲۳ سے ۳۲ تک نقل کرتے ہیں۔

۲۵،۲۴،۲۳:۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ بنی اسرائیل سے کہہ کہ ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ تمہارے لئے خاص آرام کا دن ہو۔ اس میں یادگاری کے نرسنگے پھونکے جائیں اور مقدس مجمع ہو۔ تم اس روز کوئی خادمانہ کام نہ کرنا اور خداوند کے حضور آتشین قربانی گذراننا۔

۲۸،۲۷،۲۶:۔ اور خدا نے موسیٰ سے کہا۔ اسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے۔ اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو۔ اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشین قربانی گذراننا۔ تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس میں خداوند

تمہارے خدا کے حضور تمہارے لئے کفارہ دیا جائے گا۔

۲۹، ۳۰:— جو شخص اس دن اپنی جان کو دکھ نہ دے وہ اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ اور جو شخص اس دن کسی طرح کا کام کرے اسے میں اس کے لوگوں میں سے فنا کر دوں گا۔

۳۱:— تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہاری سب سکونت گاہوں میں پشت در پشت یہی آئین رہے گا۔

۳۲:— یہ تمہارے لئے خاص آرام کا سبت ہو۔ اس میں تم اپنی جانوں کو دکھ دینا تم اس مہینے کی نویں تاریخ کی شام سے دوسری شام تک اپنا سبت ماننا۔

منقولہ بالا آیات پر خصوصی غور و توجہ دیں جس عبادت و ریاضت کا حکم دیا جا رہا ہے اس کا وقت ساتویں مہینے کا پہلا عشرہ ہے۔ نویں کی شام سے لے کر دسویں کی شام تک یہ خصوصیت سے منائی ہوتی تھیں۔ اور اگر ان ایام میں اپنی جانوں کو دکھ نہ پہنچایا گیا تو وہ اپنے لوگوں سے کاٹ لیا جائے گا۔ حالانکہ ان کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ دیکھ کر یا سن کر اپنی جانوں کو دکھ پہنچانے کا سبب پیدا کرتے۔

ان کے ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ اور محرم ۶۱ھ کی پہلی تاریخ ایک تھیں۔ ان کے ساتویں مہینے کا نام "تشرین" ہے۔ چنانچہ علامہ طبری کے مطابق یکم محرم ۶۱ھ مطابق یکم تشرین ۶۸۰ء ہے۔ مورخ لیعقوبی تحریر کرتے ہیں یکم محرم الحرام ۶۱ھ کو ماہ تشرین کی پہلی تاریخ تھی۔ بعض عجمی شہروں میں اس دن سورج برج میزان میں ساڑھے سترہ درجہ پر اور چاند برج دلو کی بیسویں منزل پر تھا۔ ثابت ہوا محرم ۶۱ھ سے ماہ تشرین کی تاریخیں توام ہو گئیں۔

پس ایام محرم میں غم منانے 'اپنی جانوں کو تکلیف دینے کا صریحی حکم توریت میں محفوظ ہے۔ اور منقولہ آیت ۳۱ کے مطابق یہ دائمی قانون یعنی پشت در پشت آئین نافذ ہے۔ چونکہ یہ قانون دائمی قرار دیا گیا ہے لہٰذا امر بعید ہے کہ ابدی قانون کو کچھ ہی عرصہ بعد منسوخ کر دیا جائے کیونکہ اللہ کی سنت میں تبدیلی تسلیم کرنا خلاف

قرآن ہے۔ "لن تجد لسنة الله تبديلا۔"

دلیل نمبر ۶

حضرت نوحؑ کا اصلی نام عبدالغفار تھا۔ اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نوحؑ کہلاتے ہیں۔

(الصاوی علی الجلالین جلد دوئم صفحہ ۱۳۲ مطبوعہ مصر)

قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب

۱۔ حضرت نوح علیہ السلام کسی مقبول بندے کی معصیت و شقاوت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے۔

لقب بنوح لكثرة نوحه على نفسه حيث دعا على قومه فهلكوا او قيل لمراجعته ربه في شان ولده لا كنعان۔

آپ کا لقب نوحؑ اس لئے ہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روتے رہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ نے اپنے رب سے سوال کیا تھا۔

۲۔ اس نوحہ (رونے) سے منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا کیسے ثابت ہو گیا۔

جواب من

حضرت نوحؑ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ کسی غیر مقبول بندے کی معصیت پر روتے رہے۔ دراصل ان کی عصمت کا انکار کر دینا ہے۔ فریقین کی اکثر کتب و تفاسیر میں یہی لکھا ہے کہ آنحضرتؑ سینکڑوں سال حصول لقائے تعالیٰ کے لئے گریہ کناں رہے۔ اور اس گریہ و بکا کی کثرت کے سبب آپ کا نام نوحؑ یعنی نوحہ کرنے والا مشہور ہو گیا۔

پس صاحب الصاوی علی الجلالین کا یہ تحریر کرنا کہ حضرت نوح قوم اور بیٹے کی ہلاکت پر روتے رہے ہرگز درست نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا سرکش قوم اور ناخلف بیٹے (جسے اللہ نے اولاد سے خارج کر دیا) کی ہلاکت پر اتنی طویل مدت گریہ زاری کرتے رہنا اور خدا کا نہ روکنا۔ ایک امر باطل کی حوصلہ افزائی کرنے کے مترادف ہے جو کہ امر محال ہے۔

واضح ہو کہ نوح العقول تا منی اگر غیر مقبول بندے کے لئے بھی عزادار رہے تو بھی عزاداری کا جواز ہماری موافقت میں نکلتا ہے کہ بشری تقاضا تھا۔ جبکہ اہلِ سنت کے مطابق مقبول وغیر مقبول شہید و عام مردہ سب پر روتے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے میری کتاب "چودہ ۱۴ مسئلے"۔

۲۔ نوحہ کے معنی بین کرکے رونا ہے جو بلند آواز سے ہوتا ہے۔ یہ فطری امر از خود دلیل ہے کہ حالتِ غم میں جذبات کی شدت مغموم کو بے بس کر دیتی ہے اور اسی اضطرابی کیفیت میں پیٹنا بھی ہے۔ اگر اس عبارت سے منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ظاہر نہیں بھی ہوتا تو بھی آپ نے مروجہ ماتم میں زبان سے ہائے ہائے پکارنے کو "ماتم" تسلیم کیا ہے۔ پس نوحہ اور واویلا کرنا از خود ماتم قرار پایا اور حضرت نوحؑ کی نوحہ خوانی ہمارے ماتم کرنے کی مستحکم دلیل ٹھہری۔

دلیل نمبر ۹

حضرت ابراہیم بن محمدؐ نے انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے۔ نزع کی حالت تھی گود میں اٹھا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

(سیرت النبیؐ حصہ اول ص ۴۲۸)

جواب دلیل از قاضی مظہر حسین

۱۔ اس کے بعد یہ الفاظ نہیں لکھے کہ:۔

"عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یا رسول اللہؐ! آپ کی یہ حالت ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ رحمت ہے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے تھے لیکن اس سے ماتم مروجہ کیسے ثابت ہوا؟

۲۔ اور اس گریہ کی بھی کیا ہر سال حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی مجلس بپا کی تھی۔؟

۳۔ حضرت حسینؑ کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمد کے ماتم کی مجلس بپا کی ہے؟

میرا جواب

۱۔ ملک صاحب نے اگر وہ الفاظ نہیں لکھے جو آپ نے بتلائے تو اس سے اُن کے مدعا پر تو کوئی اثر نہ پڑا۔ نہ ہی متذکرہ الفاظ آپ کے لئے مفید ٹھہرے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف نے رسولؐ کی اشک ریزی پر تعجب کیا۔ اور حضورؐ نے جواباً فرمایا کہ "یہ رحمت ہے۔ یہ بات تو اُلٹی عزاداری کے لئے دلیل قرار پائی نہ کہ حرمت کا ثبوت۔ چنانچہ میں نے یہ روایت اپنی کتاب "چودہ ۱۴ مسئلے" میں نقل کی ہے۔ اسی کو پھر لکھتا ہوں۔

"(ابراہیم فرزندِ رسولؐ کی وفات کے سلسلے میں حالات بیان کرتے ہوئے) انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے۔ اور ابراہیم دم توڑ رہے تھے۔ پس رسولِ خدا کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری ہوئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یا رسولؐ اللہ! آپ روتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اے عوف کے بیٹے! یہ تو رحمت ہے جس کے بعد گریہ بھی ہو جاتی ہے۔ پھر ارشاد ہوا کہ آنکھ روتی ہے۔ دل غمگین ہوتا ہے۔ مگر ہم اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کہتے (یعنی اللہ تعالیٰ سے شکوہ نہیں کرتے) ـــ اے ابراہیم! بے شک ہم تیری

جدائی سے غمگین اور محزون ہیں"۔

(مشکوٰۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

پس چونکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے خود وقتِ صدمہ گریہ زاری کی اور بین کیا جو کہ "ماتم" کے زمرے میں آتے ہیں۔ لہٰذا اس کا تعلق ماتم کے ساتھ ٹھہرا ہوا کیونکہ رونا دھونا اور آہ و فغاں و بین کرنا "ماتم" ہی کے رسوم ہیں۔

۲۔ دردِ دل رکھنے والا انسان اولاد کی چوٹ بھلا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کہ جن کو کفار و مشرکین بے اولاد کہہ کر طنز کیا کرتے تھے یقیناً باپ ہونے کی حیثیت سے حضرت ابراہیم کی جدائی کے صدمہ کو فراموش نہ کر سکے ہوں گے اور ساری زندگی اس فرزند کا داغِ مفارقت ان کو یاد رہا ہوگا۔ ایسے میں ایک دن کی مجلس قائم کرنے کا سوال اٹھانا محض ضد اور تعصب کا مظاہرہ ہے۔

اگر حضرت ابراہیم کے یومِ وفات کی سالانہ مجلس کے انعقاد کا سوال ہے تو پھر ذرا بتا دیجیے کہ رسولِ خدا نے رمضان شریف میں ہر سال تراویح کی نماز باجماعت ادا کی۔ اگر نہیں کی جیسا کہ حقیقت ہے تو پھر آپ حضرات ہر سال اس کا اہتمام کیوں کرتے ہیں۔ جو بھی جواز آپ تراویح کے لئے پیش کریں اس ہی کے تحت اپنے اس اعتراض کا جواب حاصل کر لیجیے۔ ہمارے عقیدہ کے مطابق تو ایک دفعہ کا عملِ رسولؐ بھی سُنّت ہوتا ہے جب تک کہ ممانعت نہ ہو۔

وفاتِ ابراہیمؑ اور شہادتِ حسینؑ میں بہت فرق ہے۔ جب ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو وہ اپنے گھر میں اپنے والدین کے پاس تھے۔ لیکن حسینؑ عالمِ پردیس میں بھوکا پیاسا بے جرم و خطا اُمت کے ہاتھوں کند خنجر سے حالتِ سجدہ میں شہید ہوا۔ لہٰذا حالات و واقعات کی رُو سے دونوں سانحے جُدا جُدا حیثیت رکھتے ہیں۔ باقی صاحب! ہم اہلِ بیتؑ کے سوگواروں نے غمِ آلِ رسولؐ سے متعلق ہر چیز کو

اس کی شان کے مطابق پُر سوز بنانے کی سعی کی ہے۔ اور ابراہیم کی وفات پر مجلسِ عزا کا انعقاد ہمارے ہاں ممنوع تو نہیں ہے۔ اگر ہم علم، گہوارہ، ذوالجناح جیسی چیزوں سے غمگساری کر سکتے ہیں اور عام میت کے لئے مجلس عزا برپا کرتے ہیں تو پھر فرزندِ رسولؐ کی مجلس کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے اور حقیقت یہ ہے کہ حسین علیہ السلام کی مجلسِ عزا دراصل ہمارا ایک احتجاجی جلسہ ہوتا ہے کہ ازل سے ابد تک تمام اہلِ حق مظلومینؑ کی حمایت کرتے ہیں اور تمام ظالمین کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ یہ ہمارے تمام غموں کا شافی علاج ہے۔

۳۔ رسمِ زمانہ کے مطابق سالانہ یادگاریں صرف ان لوگوں کی منائی جاتی ہیں جنہوں نے دنیا میں کوئی کارنامہ سرانجام دیا ہو جس سے انسانیت کو فائدہ پہنچا ہو۔ جس طرح امام حسینؑ نے معرکۂ کربلا میں شہید ہو کر اسلام کے مردہ جسم میں اپنے لہو سے حرارت پیدا کی اگر جناب ابراہیم فرزندِ رسولؐ اپنی طبعی عمر پر پہنچ کر ایسا کارنامہ سرانجام دیتے تو ہم ان کی یاد بھی بدرجہ اتم مناتے۔

دلیل نمبر ۱

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت رسولِ اکرمؐ روئے اور فرمایا ہائے آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر صحابۂ رسول نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ اور عورتوں نے گریہ کیا اور صفِ ماتم بچھائی۔ آنحضرتؐ نے عورتوں کا گریہ سن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعائے خیر دی۔ (کتاب مغازی فتوح الشام صفحہ ۱۰۸۔ سیرت ابن ہشام۔ سیرت النبی شبلی نعمانی جلد اوّل)

جرحِ قاضی

۱۔ اس عبارت میں بھی منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ثابت نہیں جس سے مروّجہ ماتم ثابت ہوتا ہو۔

۲۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی حصّہ اوّل صفحہ ۳۴۱ میں تو یہ الفاظ ہیں:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری ہمدردی کا شکر گذار ہوں۔ لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔"

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ کے ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بین کرکے رونا) شروع کر دیا تھا جس سے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو منع فرما دیا۔

۳۔ پمفلٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے یہ الفاظ مبارک نقل نہ کرنا کہ "مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔" کیا علمی بد دیانتی نہیں ؟

۴۔ کیا پھر ہر سال حضرت حمزہ کی شہادت کے دن صرف گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی۔

۵۔ اور کیا آج کل کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت حمزہ کی مجالس ماتم بپا کی ہیں۔ اگر نہیں تو کیوں ؟

ہمارا جوابی تبصرہ

۱۔ جب بحث برائے بحث کرنا مدِنظر ہو تو پھر مُرغے کی ایک ہی ٹانگ نظر آتی ہے۔ ہم سخت حیران ہیں کہ لفظ "ماتم" کی موجودگی میں فاضل مجیب تحریر فرما رہے ہیں کہ "عبارت میں منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ثابت نہیں۔" حالانکہ ماتم کے معنی ہی رونا پیٹنا ہوتے ہیں مروّجہ یا غیر مروّجہ۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ کوئی کہہ دے نماز پڑھنے کا حکم تو قرآن مجید میں بار بار ہے مگر اس کے ساتھ سجدہ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ جس طرح نماز ادا کرنے کے ذیل میں رکوع و سجود از خود سمجھ لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح

"ماتم" کے تحت تمام رسومات عزا کا شمول انڈر سٹوڈ (UNDER STOOD) ہے۔

۲۔ اب ذرا شبلی کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے:۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مدینہ میں تشریف لائے۔ تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا آپ جس طرف سے گذرتے تھے گھروں سے ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے تھے۔ لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقّت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهٗ حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں۔

انصار نے یہ لفظ سُنے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی۔ حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا مشکور ہوں۔ لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایام میں عورتیں مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدتوں تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھی بلکہ حمزہ کی حقیقی محبت تھی۔" (۱)

(سیرت النبی حصّہ اوّل بحوالہ فلاح الکونین صفحہ ۱۴۲)

معترض کا یہ خیال کہ آنحضرت نے ماتم دار عورتوں کو نوحہ کرنے سے روک دیا درست نہیں ہے۔ کیونکہ سیاق و سباق پر معمولی غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔" کا جملہ موضوع ہے کیونکہ یہ محال ہے کہ پہلے تو رسولؐ خود ہی حمزہ پر ماتم کی خواہش فرمائیں اور پھر خود ہی منع کر دیں۔

(۱) ماتم حمزہ کی حقیقی محبت تھا تو حسینؑ کی محبت کیوں نہیں ؟

اگر حضورؐ نے بالفرض منع کر دیا ہوتا تو پھر مدتوں یہ معمول کیوں رہتا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو داستانِ حمزہ سے شروع ہوتی۔

حکمِ رسولؐ کے خلاف صحابیات سال کے ایامِ خاص میں ماتم کیوں کرتیں؟ "مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں" کا تراشہ ایجادِ بندہ ہے کیونکہ کتبِ تواریخ میں یہ جملہ نہیں ملتا ہے۔ صاحب مدارج النبوۃ لکھتے ہیں کہ "حضرتؐ مدینہ آئے تو انصار کے اکثر گھروں سے رونے کی آواز آتی تھی سوائے حمزہ کے گھر کے۔ آپؐ نے فرمایا حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے اپنی عورتوں سے کہا پہلے حمزہ پر روئیں پھر اپنے گھروں میں روئیں۔ چنانچہ وہ شام اور خفتن کے درمیان گئیں۔ آدھی رات تک حمزہ پر روتی رہیں۔ حضرتؐ جاگے اور پوچھا یہ کیا ہے۔ جب حقیقت بتائی گئی تو فرمایا۔ خدا تم سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔

اسی طرح استیعاب میں ہے کہ حضور کے ارشاد کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی۔ پس روایتاً یا درایتاً کسی طرح سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ حضورؐ نے نوحہ کرنے سے منع کیا ہو۔

۳۔ حکمِ قرآن ہے کہ شہید کو "مردہ" نہ کہا جائے۔ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سید الشہدا ہیں۔ لہٰذا رسولِ کریمؐ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے معاذ اللہ خلافِ قرآن شہید کو مردہ کہہ کر "مردوں پر نوحہ نہ کرنے کا حکم دیا" شانِ پیغمبرؐ کے منافی ہے۔ ایک غلط منسوب شدہ جملے کو نقل نہ کرنا علمی بددیانتی نہیں ہے۔ ہاں پوری عبارت کے پہلے پیراگراف کے آخری الفاظ اما حمزۃ فلا بواکی لہ اور دوسرے پیراگراف سے اس واقعہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستانِ حمزہ سے شروع ہوتی کے الفاظ نقل نہ کرنا بہت بڑی بددیانتی ہے۔

علمی خیانت کا ثبوت

سیرت النبی کی مندرجہ صدر عبارت ابتدائی ایڈیشن سے نقل ہوئی ہے۔ مگر موجودہ ایڈیشن میں تحریف کر کے سخت علمی خیانت کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اصل عبارت ہم نقل کر چکے۔ اب محرف شدہ عبارت بھی دیکھ لیجئے اور ایمان و انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ "خائن" اور "کاذب" کون ہے؟ یہ تحریف شدہ عبارت ہم سیرت النبی حصہ اول سن اشاعت ۱۹۷۵ء ناشر۔ دینی کتب خانہ لاہور مطبع اسلامی لاہور کے صلا۳۶ سے نقل کر رہے ہیں۔

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپؐ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

اما حمزۃ فلا بواکی لہٗ۔ لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہیں۔

انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں، لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔

نوٹ:۔ اس کے بعد مصنف کا پورا پیرا جو "عرب میں دستور تھا" سے لے کر "حقیقی محبت تھی" تک ہے۔ حذف کر دیا گیا ہے۔ اور اس کی جگہ خطوط وحدانی میں یہ عبارت لکھی ہے جو شاید کی رو سے سید سلیمان ندوی سے منسوب کی گئی ہے۔ حالانکہ پہلے ایڈیشن میں ایسا نہیں ہے۔

(عرب میں دستور تھا کہ مُردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں۔ کپڑے پھاڑ لیتی تھیں۔ گال نوچتی، گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ آج کسی مُردہ پر نوحہ نہ کیا جائے۔ یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں) فُٹ نوٹ میں اس سے ظاہر ہے کہ یہ عبارت سید سلیمان ندوی صاحب نے بعد میں اضافہ کر کے لکھی ہے اور اصل عبارت کو تبدیل کر دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

بالفرضِ محال

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضورؐ نے فرمایا "مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں" تو بھی عزاداری امام حسین علیہ السلام پر اس ممانعت کا کوئی اثر نہیں پڑے گا اس لئے کہ شہید زندہ ہے اور اس کو مُردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ پس یہ حُرمت عام مُردوں کے لئے ثابت ہو گی جبکہ ہم خود بھی عام میت کے نوحہ و ماتم کو جائز نہیں کہتے ہیں۔

عزاداری پر رسولِ اکرمؐ کا اظہارِ تشکر

منقولہ بالا واقعہ سے حضرت حمزہؓ کے عزاداروں کی نوحہ خوانی پر سرکار رسالت مآب صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا اُن کی ہمدردی اور تعزیت پر شکر گذار ہونا اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرنا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ انہوں نے جو پُرسہ دیا اُسے رسول اللہؐ نے پسند کیا۔ ایک ناجائز و حرام فعل کے لئے اظہارِ تشکر بجا لانا اور اسے ہمدردی قرار دینا شانِ رسالت سے بعید ہے۔ یہ شکر گذاری ثابت کرتی ہے کہ اس کے فوراً بعد مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں" والا جملہ بے جوڑ ہے۔ اصل قصّہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ بعد کی اختراع ہے۔ شاید شبلی صاحب کی اس غلطی کو چھپانے کے لئے سلیمان ندوی صاحب کو عبارت میں ردّ و بدل کی ضرورت پیش آئی ہے۔

۴۔ ہر سال حضرت حمزہ کی شہادت کے دن مجلسِ عزا کا انعقاد تو رہا ایک طرف۔ منقولہ بالا عبارت سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شہادتِ حمزہ کے بعد مدتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو داستانِ حمزہ سے شروع کی جاتی۔ نیز آنحضرتؐ اور خلفائے ثلاثہ (اہلسنت) کا شہداء کی قبور پر ہر سال بشکلِ جلوس جانا ہم گذشتہ اوراق میں لکھ چکے ہیں۔

۵۔ ہم ان تمام بزرگواروں کے ایام مناتے اور ان کی یاد میں مجلسیں کرتے ہیں جنہوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی حمایت و حفاظت میں جانیں نثار کی ہیں۔ ہم اکثر مجالس میں حضرت حمزہ کا ذکر کر کے ان کی یاد بھی مناتے رہتے ہیں۔ علاوہ بریں اس وقت کلام اس امر کے جواز میں ہے جو بحمدہٖ تعالیٰ مخالف کے اقرار سے ثابت ہے۔ لیکن یاد رکھیں "ہر مباح امر پر عمل کرنا ضروری نہیں"۔

قاضی صاحب! ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر آپ شرکت کا یقین دلائیں تو ہم جب کہیں حضرت حمزہ کی یاد میں خصوصی مجلسِ عزا کا انتظام کر کے آپ کو دعوت دینے کو تیار ہیں۔ فرمایئے منظور ہو گی یا نہیں؟

دلیل نمبر ۱۱

حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کے سال کو آنحضرتؐ نے عام الحزن یعنی غم کا سال کے نام سے یاد کیا ہے۔

جواب منجانب قاضی مظہر صاحب

اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال ان کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضےٰ حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسن اور حضرت حسین نے بھی ہر سال کوئی مجلس غم برپا کی تھی۔ اور کیا رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے مہربان چچا ابوطالب اور اپنی پیاری بیوی خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا دن ہر سال مجلسِ ماتم کی صورت

میں منایا تھا؟ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہو؟

ہماری گذارش

ایک مخصوص سال کو بوجہ غم عام الحزنؑ کا نام دینے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ پورا سال رسول کریمؐ نے اپنے محسن چچا اور محسنۂ اسلام زوجہ کا غم منایا۔ کیا رسولؐ کا یہ عمل سنت ہے یا نہیں اگر آپ اہل سنت ہونے کے دعویدار ہیں تو اس سنت پر بھی عمل کیجیے کہ رسولؐ نے اپنے محسن رشتہ داروں کا غم منایا۔ پورا سال عزادار رہے۔ اس سنت کو روکنے کی کوشش کسی بھی اہل سنت کو زیب نہیں دیتی جبکہ رسولؐ نے پورا سال غم منایا۔ اُن کے لئے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ وہ اِن مفارقتوں کو بھول گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر وبیشتر رسولؐ اِن دونوں ہستیوں کو یاد کرتے رہے۔ اور یہ یادگاری اس حد تک تھی کہ خود آپ کی زوجہ بی بی عائشہ کو اس سے لاگ آنے لگی تھی۔ چنانچہ بی بی صاحبہ خود اقرار کرتی ہیں کہ مجھے خدیجہ کے نام پر چڑ رہا کرتی تھی۔ صدیقۂ اہلسنت کا یہ اعتراف اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ نے ساری زندگی خدیجہ کا غم نہ بھلایا۔ اور یہ ظاہر ہے ذکرِ خدیجہ کسی سامع کے سامنے ہی ہوتا ہوگا اور ذاکر و سامعین کے درمیان ذکر ہی کا نام مجلس ہوتا ہے۔ اب چونکہ یہ سانحہ ہائے ارتحال اتنے پایہ پر نہیں ہیں جتنا کہ شہادت حسینؑ کا سانحہ ہے۔ لہٰذا ویسا اہتمام جو مجلس عزا سید الشہدا کا ہوتا ہے ویسا نہ ہو سکا۔ مگر پھر بھی ہم عموماً یوم خدیجہ اور یوم ابی طالب مناتے رہتے ہیں۔ الغرض اصل مدعا محض یہ ہے کہ غم منانا۔ ماتم کرنا اور عزاداری کا اہتمام کرنا سنت رسول سے قولاً اور فعلاً جائز ثابت ہے اور یہی ہمارا موقف ہے۔ اگر شب معراج کو معراج پر جانے کی خوشی میں ہر سال اس شب کو خوشی منائی جا سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی یوم مصیبت کی یادگار کو نظر انداز کر دیا جائے کیونکہ زندگی میں رنج و خوشی دونوں اہم ہیں۔ جب تعزیت گذاری اور پُرسہ دہی اصولی طور پر مستحب اور مستحسن بلکہ سنتِ قولی فعلی ثابت ہے تو پھر معلوم نہیں اس کی مخالفت کس جواز پر کی جاتی ہے

ہو کر کسی مباح و مسنون امر کے لئے کسی وقت کی پابندی نہیں ہے کہ اسے کس وقت کیا جائے۔ حالات و ضرورت کے تحت اس پر عمل کسی وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۲

جنگ اُحد میں جناب رسالت مآبؐ کا دانت مبارک شہید ہو گیا جس کی خبر سن کر خواجہ اویس قرنی نے اپنے دانت توڑ دیئے آنحضرتؐ نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لئے دعا کی۔

جواب از قاضی

(۱) یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے اس لئے اس کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

(۲) اگر اس طرح اپنے دانت توڑنا صحیح ہے اور کارِ ثواب ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا بھی اپنے دانت توڑ دیتے۔ کیا ماتمیوں کے نزدیک خواجہ اویس قرنی کا عشق رسالت حضرت علی سے زیادہ تھا؟

(۳) اگر خواجہ اویس قرنی کی یہ سنت ماتمیوں کو پسند ہے تو پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے سارا قصہ ہی ختم ہو جائے نہ مرثیہ خواں رہیں اور نہ سوز خواں

"نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری"

جواب الکریم

۱۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ دندان شکنی اس قدر مشہور اور عام ہے کہ اس کے حوالہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی تاہم مطالبہ پورا کیا جاتا ہے کہ یہ واقعہ مشہور بزرگ اہلسنت شیخ فریدالدین عطار کی معتبر کتاب "تذکرۃ الاولیا" میں ہے۔ اور اس کے اردو ترجمہ کے صـ۱۷ اور صـ۱۸ پر ہے۔ صاحب سیرۃ الحلبیہ نے اسے اپنی دوسری جلد کے صـ۲۶۹ پر نقل کیا ہے اس کے علاوہ کئی دیگر کتابوں میں اس واقعہ کو لکھا گیا ہے شیخ فریدالدین عطار تحریر کرتے ہیں کہ:-

"حضرت اویس قرنیؓ نے حضرت عمر بن خطابؓ کو کہا۔ اگر تم دوستی میں درست ہوتے تو اس دن جبکہ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تھے تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت نہ توڑ دیئے۔ کیونکہ یہ شرطِ موافقت ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھلائے جو سب ٹوٹے ہوئے تھے۔ اور کہا میں نے آپ کو بلا دیکھے غیبت کی حالت میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا۔ کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا تو میرے دل کو قرار نہ آتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک ایک کر کے میں نے سب دانت توڑ دیئے۔" تذکرۃ الاولیا صہ ۱

۲۔ اگر اویس قرنیؓ کا اس طرح دانت توڑنا خلافِ شرع ہوتا تو حضرت عمر ان کو ضرور ٹوک دیتے۔ اور ان کے اس طعنہ نادرست دوستی کا جواب دیتے۔ مگر حضرت عمر خاموش رہے۔ یہ سکوت اس امر پر دال ہے کہ حضرت عمر کے نزدیک جناب اویس قرنی کا دندان کو توڑنا خلافِ شرع فعل نہ تھا بلکہ کارِ ثواب تھا۔ اور دوستی کا ثبوت بھی تھا۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ جنگ احد میں جب مسلمانوں پر مشکل وقت آیا تھا بڑے بڑے نامور ساتھی قدم نہ جما سکے حتیٰ کہ حضرت عمر تک نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دئے تھے۔ جیسا کہ شمس العلماء شبلی نعمانی نے سیرت النبی جلد اول صہ ۲۳۵ پر اعتراف کیا ہے مگر آزمائش کی اُن گھڑیوں میں حضرت حیدر کرارؑ جان ہتھیلی پر رکھ کر حضورؐ کی حفاظت کے لئے مشرکین پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے اور اپنی جان نثار کرنے پر تیار تھے۔ ان کے لئے اپنے دانت توڑنے سے زیادہ ضروری اُس وقت دشمن کے دانت توڑنا تھا۔ چنانچہ آپ اپنے رسول کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگاتے رہے۔ وہ لوگ جو میدان سے بھاگ کر چھُپ گئے تھے ان کے لئے موقع میسر تھا کہ وہ اپنے دانت توڑ کر اپنی محبت کا مظاہرہ کرتے۔ ان کے پاس وقت بھی تھا۔ تنہائی بھی تھی اور پہاڑ کے پتھر بھی تھے۔

جس طرح حضرت علی علیہ السلام کو حفاظتِ رسولؐ کی خاطر مشرکین کے

دانت کھٹے کرنا ضروری تھا اسی طرح غلامانِ علیؑ کو اپنے دانت توڑنے کی بجائے دشمن و مخالف کو دندان شکن جواب دینے کے لئے دانتوں کی ضرورت ہے۔ ورنہ جذبۂ عشق و محبت میں سر پھوڑنا یا دانت توڑنا معمولی بات ہوتا ہے۔ اگر ہم پیالے پھوڑ لیں اور زنجیروں سے ماتم کر سکتے ہیں دہکتے ہوئے انگاروں پر چل کر سینہ کوبی کر سکتے ہیں تو دانت بھی توڑ سکتے ہیں۔ ہم اپنے دانت توڑ کر آپ کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیں گے۔ جہاں بنو عباس اور بنو امیہ کے ظلم و جور ہماری مرثیہ خوانی اور سوز خوانی کو نہ روک سکے وہاں آپ کی بڑ کی کیا وقعت ہے۔

" انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ "

دلیل نمبر ۱۳

اسلام دینِ فطرت ہے۔ رونا فطرتِ انسانی ہے۔ بچہ پیدائش کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے۔ دنیا میں ہر مذہب و ملت کے نزدیک رونا ممنوع نہیں ہے۔ جسمانی، ذہنی یا روحانی تکلیف کے پہنچنے پر ہر انسان کے آنسو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ اور آنسو نہ صرف غم کا نشان بلکہ غم کا ازالہ بھی ہیں۔

قاضی صاحب کی جوابی عبارت

۱۔ پیدائش کے بعد بچے کا رونا مروجہ ماتم کی دلیل کیسے بن گیا؟ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے؟

۲۔ اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیشِ نظر پیشاب پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ کیا خوب عقل ہے۔ سبحان اللہ۔

ہمارا جواب

۱۔ ملک صاحب کی اس فطرتی دلیل سے تو آپ بھی انکار نہ کر سکے۔ البتہ بچہ کس کے ماتم میں روتا ہے تو اس کا جواب تو

وہی دے سکے گا جس کو اپنا وہ رونا یاد ہو گا۔ مگر سنا ہے کہ جب آدم کو جنت سے اس خطۂ ارضی پر بھیجا گیا تو آپ اس انتقالِ مکانی پر روئے اور یہی وجہ ہے کہ بنی آدم اس دنیا میں آتے ہی روتے ہیں۔ اگر یہ بات درست ہے تو یہ تو وجہ گویا ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے کہ یہ فطرت ہے کہ جدائی اور مفارقت کے صدمہ میں رونا آتا ہے۔ اور چونکہ رونا مقتضائے فطرت ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رونے کو پسند کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ

"کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ اور مضحکہ اڑاتے ہو اور روتے نہیں ہو؟"

ارشادِ باری تعالیٰ سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ رونے کو پسند کرتے ہوئے رونے کا حکم دیتا ہے اور اس کی مخالفت میں مضحکہ خیزی کو ناپسند کرتا ہے چنانچہ ندامت و پشیمانی میں خوف و آلام میں اور مصائب و تکالیف کی حالت میں گریہ زاری کرنا خاصانِ خدا کا شعار رہا ہے۔ اور چونکہ "رونا" ماتم کا معاون فعل ہے لہٰذا ماتم کی دلیل قرار پایا۔

۲۔ مجالس رونے کی نہیں بلکہ رونے کے لئے ہوتی ہیں۔ ایسے مقدس اجتماع کیلئے جن میں خدا و انبیاء و ائمہ اور بزرگانِ دین کے تذکرے ہوں محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فضائل و مصائب کا بیان ہو۔ قرآن کی آیات کی تلاوت ہو۔ درود شریف اور احادیث نبوی پڑھی جاتی ہیں۔ ایسی پاکیزہ محافل کو پیشاب و پاخانہ کی مجالس سے تشبیہ دینا عقل سے عاری، تہذیب و اخلاق سے کورا اور دشمنِ حسین ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

باقی اگر معترض کو ایسی ناپاک محافل پسند ہوں تو بندہ ذاتی طور پر یہ خدمت کرنے کے لئے تیار ہے مگر وہاں وہ بربربر برداشت نہ کر سکیں گے۔

دلیل نمبر ۱۴

ٹریجیڈی آف کربلا ۶۱ھ کو واقع ہوئی۔ سانحۂ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ قاتلانِ امام حسینؑ دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ آج امام حسینؑ کا ذکر اور ان کی حمایت کرنا گویا امام مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔ اور حسینیت کی مخالفت کرنا یزیدیت کی حمایت کرنے کے برابر ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بتحقیق میرا یہ فرزند حسینؑ زمینِ کربلا پر قتل کیا جائے گا۔ پس تم میں سے جو شخص اس وقت موجود ہو وہ حسین کی مدد کرے۔

(ینابیع المودۃ باب ۶۰)

قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب

۱۔ ماتم کرنے کو امام حسینؑ کی حمایت سے کیا تعلق ہے حسینیت تو یہ ہے کہ امام حسینؑ نے جس شریعت اور سنتِ مقدسہ کے لئے اپنی جان قربان کی تھی اس کی اتباع کی جائے۔ اور اعمالِ صالحہ کو رائج کیا جائے۔ شرک و بدعت اور بت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔

امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوفی ہیں۔ اور یزیدیت کی حمایت میں شہید کرنے والے غدار بھی کوفی لوگ ہی ہیں جو ماتم امام حسینؑ نے ساری عمر نہیں کیا اس کا ارتکاب حسینیت کی حمایت ہے یا مخالفت؟

۲۔ اخبار ماتم صفحہ ۹۶ میں ہے کہ سب سے پہلے شہادت حسین کا ماتم یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا۔ اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حسینیت کیا ہے اور یزیدیت کیا؟

جوابِ مشتاق

۱۔ یہ تو دنیائے انصاف سے سوال کر کے جواب طلب فرمایئے کہ کسی عزادار گھرانہ سے اظہارِ تعزیت کرنا۔ اُن کے غم میں شریک ہونا۔ حمایت ہے یا مخالفت۔ خدا کی قسم ایک بھی صاحبِ ہوش ایسا نہ ہوگا جو ایسے ہمدردانہ جذبات کو مخالفت قرار دے۔ مگر جب عقل ساتھ چھوڑ دے۔ ہوش اُڑ جائے اور تعصب اندھا کر کے دلوں کو مقفل کر دے تو ہمدردی بھی عناد محسوس ہونے لگتی ہے۔ امام حسینؑ کی یاد گار منانا، کارنامہ حسینؑ کا تذکرہ کرنا، جذبہ محبت میں سرشار ہو کر گریہ و بکا اور نوحہ و ماتم کرنا اگر حمایت نہیں تو بتلایئے حسینؑ کے ذکر شہادت کا بیان کرنا واعظ پر حرام قرار دینا حمایت ہے۔ اللہ آپ کی اصلاح فرمائے۔

امام حسینؑ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا بلاشبہ حسینیت ہے۔ مگر عزاداری کرنے سے اس پہلو کو کیا نقصان ہے۔ کیا اُن کی غمگساری کے عالم میں ایسا اتباع و پیروی بطریقِ احسن نہ ہوگی۔ باقی اعمالِ صالحہ کو رائج کرنے کا کام تو رسول کریمؐ اپنے فرضِ منصبی کے مطابق پورا فرما گئے۔ ہم اعمالِ صالحہ کو رائج کیسے کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف ان اعمال کو اپنا کر صالح بن سکنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ باقی رہی بات شرک و بدعت اور بت پرستی کی تو اس کے مظاہر پہلے ہی مٹ چکے ہیں۔ عالمِ اسلام میں کوئی جماعت ان پر عامل نہیں یہ محض آپ جیسے حضرات کی مہربانی ہے کہ اہلِ توحید کو بلاوجہ مشرک و بدعتی بناتے رہتے ہیں۔ ورنہ اس کا کوئی ٹھوس یا کمزور ثبوت اس سلسلہ میں آپ کے پاس نہیں ہے۔

امام حسینؑ کو اہلِ کوفہ نے دعوت دے کر شہید کر کے غداری کی تو ہم اُن پر صبح شام لعنت کرتے ہیں۔ جبکہ آپ کے ہاں ان کو ثقہ تک تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اور قاتلِ امام حسینؑ جیسے شخص سے آپ کے امام بخاری نے روایت نقل کر لی ہے۔ افسوس ہے کہ کسی راوی کا محض شیعیت سے متہم ہونا اس کی بے اعتباری کے لئے

کافی ہوتا ہے جبکہ شمر بن ذی الجوشن قاتل امام پاکؑ جیسے ملعون سے آپ کے امام نے روایت قبول کر لی ہے۔ اب بتایئے حسینیت کی حمایت وہ لوگ کرتے ہیں جو قاتلانِ حسینؑ پر لعنت کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو اُن ملاعین کو معتمد سمجھتے ہیں۔ حمایت و مخالفت کا فیصلہ خود کر لیجئے۔ باقی رہ گیا یہ سوال کہ امام حسینؑ نے ساری عمر ماتم نہ کیا جہالت پر مبنی ہے کہ کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنا ماتم نہیں کرتا ہے۔ تاہم امام حسین علیہ السلام نے اپنے جدِ امجد سید المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پدر بزرگوار سید الاولیا امیر المومنین علی علیہ السلام، والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا اور برادرِ محترم امام حسن علیہ السلام کے سانحہ ہائے ارتحال پر جی بھر کر ماتم برپا کیا۔ آئندہ صفحات میں ہم ایسے شواہد پیش کر رہے ہیں۔

پس حسینیت یہی ہے کہ حسینؑ کی محبت کا حق ادا کرتے ہوئے اُن کے مصائب پر عزاداری کر کے ان کے معاندان کی مخالفت کی جائے۔ یہی اُن کے موقف کی حمایت ہے۔ واضح ہو کہ بغیر محبت کے ان کے اسوہ کی پیروی کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور محبوب کی یاد کا ہر وقت دل میں ہونا لازمی امر ہے۔ عاشق کی زبان پر صبح و شام اس کے معشوق کا نام رہتا ہے۔ وہ لوگ جو حسینؑ کا ذکر بند کروانا چاہتے ہیں ان کا یہی منشا ہے لوگ حسینؑ کا نام نہ لیں اور یہ سیدھی بات ہے کہ ایسا کرنا حمایت نہیں بلکہ کھلی مخالفت ہے۔

۲۔ "اخبارِ غم" نامی کتاب ہمارے ہاں کوئی معتبر کتاب نہیں ہے کہ جسے حجت مان لیا جائے۔ ہندہ زوجہ یزید کا ماتم کرنا علمائے شیعہ میں ایک متنازعہ واقعہ ہے۔ تاہم اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے عزاداری کرنا مذموم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ یزید کے گھر میں قرآن خوانی بھی ہوئی اور وہاں نمازیں بھی پڑھی جاتی تھیں۔ ایک نیک عمل کا وقوع کسی بدکار گھر میں ہو جاتا اس عمل کے استحباب و حلت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔ ویسے یزید کے بیٹے معاویہ ثانی نے اپنے باپ اور دادا پر کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ لہٰذا ہمیں یزید کی ذات یا اس کے خاندان سے کوئی

خانگی یا نسبی پرخاش نہیں۔ اگر بی بی آسیہؑ زن فرعون ہو کر محسن موسیٰؑ ہو سکتی ہے تو پھر زوجۂ یزید کی تعزیت اور ماتم داری بھی قابلِ تعریف ہوگی۔ موسویت اور فرعونیت کا فیصلہ کر کے اسی کو حسینیت اور یزیدیت پر منطبق کر کے تسلی کر لیجیے۔

دلیل نمبر ۱۵

فریقین کی معتبر روایتوں میں ام المومنین عائشہ، جابر بن عبداللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالت مآب نے فرمایا جو شخص کربلا میں امام حسین کی زیارت کرے درآنحالیکہ ان کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہوتا ہے۔

بیانِ قاضی جی

۱۔ فریقین (یعنی سُنی اور شیعہ) کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے۔

۲۔ امام حسینؓ کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

۳۔ جو شخص امام حسینؓ کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سنت کا تارک ہے اور بدعات کا مرتکب ہے وہ امام حسین کا حق پہچاننے والوں میں شامل ہی نہیں ہو سکتا پھر جنت کا مستحق کیسے ہو گیا؟

بیانِ راقم

۱۔ شیعہ حوالہ تو آپ کو قبول نہ ہوگا ورنہ کتب زیارات میں اس مضمون کی کافی روایات موجود ہیں۔ مثلاً کامل الزیارات وغیرہ۔ ملک صاحب نے سُنی سے مراد بریلوی فرقہ لی ہے۔ جن کا عمل از خود شہادت دلیل ہے۔ رہ گیا دیوبندی کتاب کا حوالہ تو اس کی امید کم ہے۔ البتہ "اسوۂ صوفیاء عظام" میں اس مطلب کی عبارتیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

۲۔ دلیل ماتم کو عبادت ثابت کرنے کے لئے پیش ہی نہیں کی گئی ہے۔ صرف

یہ زیارت امام حسینؓ سے متعلق ہے۔ اس لئے اس کا ماتم سے بظاہر کوئی واسطہ نہیں۔ سوال گندم جواب جَو ہے۔

۳۔ آپ نے دبے لفظوں میں تسلیم کیا ہے کہ وہ شخص جو حق حسینؓ کی معرفت رکھے مستحق جنت ہو گیا۔ جبکہ سنت کا تارک اور بدعات کا مرتکب حق شناس ہی نہیں لہٰذا اس کے لئے اس میں کوئی مفاد نہیں۔ لیکن یاد رکھیے اطاعت کے بغیر قرب، قرب کے بغیر محبت اور محبت کے بغیر معرفت ممکن ہی نہیں۔ اور محبت کا عام درجہ یہ ہے کہ محبوب کا نام ہر وقت زبان پر رکھے۔
پس خود فیصلہ کیجیے کہ "ذکرِ حسینؓ" کو حرام قرار دے کر محبت کا دعویٰ کس طرح سچا ہو سکتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۶

حضرت محمد رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حسین پر ان کا حق پہچانتے ہوئے روئے اس پر جنت واجب ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحب کا جوابی بیان

۱۔ اس روایت کا بھی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔

۲۔ پھر اس میں ماتم مروجہ کا تو کوئی ذکر نہیں۔

۳۔ اگر صرف رونے سے جنت ملتی ہے تو پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے۔

۴۔ آئمہ اہل بیتؑ امام زین العابدین۔ امام محمد باقر۔ اور امام جعفر صادقؑ نے ایسی مجالس ماتم کیوں قائم نہیں کیں بلکہ ان امور کو حرام قرار دیا جیسا کہ اگلے حوالجات میں پیش کیا جائے گا۔

محرر کا بیان

ایسی مشہور روایت کے لئے حوالہ کی ضرورت تو نہیں بہرکیف ایسی متعدد روایات میں سے چند پیش خدمت ہیں:۔

اہلسنت آئمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل لکھتے ہیں کہ :-

"جس شخص کی آنکھوں نے امام حسینؑ کی شہادت پر آنسو بہائے خواہ ایک قطرۂ اشک ہی ہو اس کا مقام جنّت ہے"

مولوی محمد مبین فرنگی محلی نے اپنی کتاب وسیلۃ النجات میں یہی روایت مسند احمد بن حنبل کے حوالہ سے ص ۳۰۵ پر نقل کی ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی مشہور تصنیف "اصابہ" کی جلد ۱ ص ۲۲۶ پر تحریر کرتے ہیں کہ فرمایا رسولؐ نے کہ کوئی بھی بندہ میرے فرزند حسین پر روزِ عاشورہ روئے اللہ اس کو روزِ قیامت اولوالعزم رسولوں کی معیت میں بہشت میں جگہ دے گا۔ اور یہ بھی ارشاد کیا کہ یوم عاشورہ کو گریہ زاری کرنا قیامت کے دن نورِ تامہ ہوگا" مولوی مہدی علی حنفی نے لکھا ہے کہ "جو حسین پر روتے اور رُلانے والا ہوگا واجب ہوگی اس پر بہشت" (امین الذاکرین ص ۱)

۲۔ جب ماتم کے معنی میں گریہ و بکا داخل ہے تو پھر مروّجہ ماتم کے ذکر کا سوال ہی جہالت پر مبنی ہے۔

۳۔ ملک غلام عباس صاحب کی دلیل میں پیش کردہ روایت میں قطعاً یہ تحریر نہیں ہے کہ محض رونے سے جنّت ملتی ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ حسین کا حق پہچانتے ہوئے رونے سے جنّت حاصل ہوتی ہے۔ اور خود قاضی صاحب نے گذشتہ دلیل کے جواب کے تیسرے پیرا میں حق شناسی کی تعریف یہ کی ہے کہ بے صبر، تارک الصلوٰۃ اور بدعتی حق شناس ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر آہ و بکا وہی کرے گا جس کے دل میں حسین کی محبت ہوگی۔ محبت اطاعت و اتباع کے بغیر کامل نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا محبِ حسینؑ یقیناً سیرتِ حسینؑ کا پیروکار بھی ہوگا۔ اور حسینؑ کی پیروی ہی دراصل شریعتِ محمدیہ کی پیروی ہے۔

۴۔ آئمہ اہل بیتؑ کی عزاداری کے اثبات آئندہ اپنے مقام پر پیش کئے جا رہے ہیں۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے مجالسِ ماتم قائم نہ فرمائیں اور ان امور کو حرام قرار دیا۔ مفصّل بحث آئندہ آ رہی ہے۔ مطمئن رہیں۔

دلیل نمبر ۱۷

حضرت امام حسینؑ کا غم وہ غم ہے جس پر انسان تو کُجا جن و ملک، چرند و پرند، آسمان و درخت سب نے گریہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آسمان حضرت امام حسین پر چالیس دن تک روتا رہا۔ (ینابیع المودت مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۳۹۲ از علامہ شیخ سلمان حنفی قندوزی)

ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا۔ رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سُنّت اور سیرت اصحاب رسول اکرم ہے۔

الجواب

۱۔ ینابیع المودات حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایتیں کیونکر قابلِ قبول ہو سکتی ہیں۔

۲۔ اس عبارت میں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کا کوئی ذکر تک نہیں۔

۳۔ کیا فرشتوں کی فطرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے۔ العیاذ باللہ۔

۴۔ کیا ہر سال زمین و آسمان ماتم کرتے ہیں؟

جوابی التماس

"ینابیع المودات" نامی کتاب کا ذکر غلام عباس صاحب نے تو کیا ہی نہیں ہے۔ البتہ "ینابیع المودۃ" قسطنطنیہ کے مفتی اعظم علامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی کی تحریر ہے جسے آپ کے مستند نہ ماننے پر ہمیں کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ یہ آپ لوگوں کا بہت پرانا

شیوہ ہے کہ بوقتِ ضرورت آپ اپنی ہر کتاب ہی کا نہیں بلکہ اکثر آیاتِ قرآن کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہمیں تو ایسی کوئی آیت قرآن یا حدیث صحیح دستیاب نہیں ہوئی ہے جس میں ممانعت عزاداری کی صراحت ہو۔

بہرحال آپ کے جیّد علما مثلاً علامہ ابنِ اثیر جزری، علامہ ابنِ سعد، علامہ ابنِ حجر، سبط ابنِ جوزی، شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی وغیرہم جیسے حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں ان روایات کا ذکر کیا جن میں کائنات کی ہر شے کے غمِ حسینؑ میں عزادار ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ مثلاً علامہ ابنِ حجر مکی رقمطراز ہیں کہ "ابوسعید کہتا ہے قتلِ حسینؑ کے دن جس پتھر کو بھی اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا۔ اور آسمان نے بھی خون برسایا جس کا اثر مدت تک کپڑوں پر رہا۔ ابونعیم فرماتے ہیں کہ روزِ قتلِ حسینؑ ہمارے مٹکے خون سے پُر تھے۔" صواعقِ محرقہ صد ۱۹۲

تفسیر جلالین صفحہ ۴۱۱ حاشیہ نمبر ۲۷ مطبوعہ کراچی میں ہے :۔

"فما بکت علیھم السماء" کے ماتحت بقول سدّی تحریر ہے کہ "لما قتل الحسین ابن علی بکت علیہ السماء" یعنی جب امام مظلوم قتل ہوئے تو ان کی شہادت پر آسمان رویا اور آسمان کا رونا، اس کا سرخ ہو جانا غیظ و غضب خونِ اشک بہانے کی دلیل ہے۔

حافظ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں امام شعبی، زہری اور ابوقتادہ کی اسناد سے لکھتے ہیں :۔ "امام حسین علیہ السلام قتل ہوئے تو سورج میں گہن لگ گیا۔ یہاں تک کہ تارے نکل آئے۔" (واقعاتِ کربلا ص [illegible])

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی کتاب "سرّ الشہادتین" کے صفحہ ۹۶ پر جنات کا نوحہ و بکا کرنا بیان کیا ہے۔ اور جو مرثیہ جنات نے روتے ہوئے امام حسینؑ پر پڑھا اس کے اشعار نقل کئے ہیں۔ جنوں کا نوحہ ام المومنین بی بی ام سلمہ نے بھی سنا ہے (صواعق محرقہ، سرّ الشہادتین)

الغرض شہادتِ حسینؑ پر قدرتی آثار کے شواہد کتب میں محفوظ ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کائنات کی ہر شے نے مظلوم کربلا کا سوگ منایا۔ جہاں رونے آہ و بکا کرنے، نوحہ و مرثیہ خوانی کرنے کی ثبیت ہوگی وہاں سینہ زنی اور منہ پیٹنا بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ روزانہ کا مشاہدہ ہے۔

۳۔ فرشتوں کی فطرت رونا پیٹنا ہے یا نہیں؟ ہم اس کا جواب نہیں دیتے بلکہ اس اعتراض کو اہل سنت کے پیران پیر غوث الاعظم، حضرت عبدالقادر جیلانی کی طرف ارسال کرتے ہیں۔ چنانچہ گیارھویں والے پیر دستگیر اس کا جواب اپنی مشہور کتاب "غنیۃ الطالبین" میں ان الفاظ سے دیتے ہیں۔

"ھبط علی قبر الحسین بن علی یوم اصیب سبعون الف ملک یبکون علیہ الی یوم القیامۃ۔" یعنی خدا کی طرف سے روزِ عاشور حضرت امام حسین علیہ السلام کے روضہ اقدس پر ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت کے دن تک امام مظلوم پر گریہ و زاری کریں گے۔

(غنیۃ الطالبین صفحہ ۶۰۳)

اب العیاذ باللہ کر کے فرشتوں کی فطرت کا سوال اپنے غوث الاعظم محبوب سبحانی حضرت جیلانی سے پوچھئے یا اللہ سے۔ ہم اتنے بڑے سوالات کا جواب نہیں دیتے۔

۴۔ ہر سال کیا آسمان تو ہر شام روتا ہے جیسا کہ علامہ سبط ابن جوزی نے تذکرۃ الخواص میں طبقات ابن سعد سے نقل کیا ہے کہ آسمان کی سُرخی (شفق) جو روزانہ شام کو ہوتی ہے۔ یہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے پہلے نہ تھی۔

ابنِ سعد کے علاوہ دوسرے علمار نے بھی لکھا ہے کہ "حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آسمان کے کنارے چھ ماہ تک سُرخ رہے۔ اس کی یہ سُرخی مستقل ہو گئی۔ جو شام کو دکھائی دیتی ہے۔" یہی آسمان کا ماتم ہے۔

بلکہ زنجیری ماتم ہے جو روز ہوتا ہے۔
(صواعق محرقہ مطبوعہ مصر قدیم صہ ۱۱۴ بحوالہ فلاح الکونین)

زمین کا ماتم اس سے ظاہر ہے کہ آج بھی وقت شہادت روزِ عاشورہ خاکِ کربلا سرخ ہو جاتی ہے۔

دلیل نمبر ۱۸

اے منکرِ غم گرچہ میرے پیر نہ ہوتے
مسمار محل دین کے تعمیر نہ ہوتے
حسین کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام
مٹ جاتا اگر دنیا میں شبیر نہ ہوتے

قاضی مظہر حسین صاحب کا جواب آخر

ان اشعار میں تو دعوٰی ہے نہ کہ دلیل۔

۲۔ اس کو ماتم سے کیا تعلق۔

۳۔ کیا دین کے محل میں رحمت اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے۔ یا دین کا محل نماز، روزہ، صبر و رضا جیسے اعمالِ صالحہ سے تعمیر کیا ہے؟

ہماری معروضات

۱۔ اشعار میں بلاشبہ دعوٰی ہے مگر یہ دعوٰی بلا دلیل نہیں ہے۔ چنانچہ حکیم الامت علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں کہ:

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است	پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت	سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز	تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز
اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں	اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں

۲۔ حسین علیہ السلام کی شہادت نے اسلام کے مردہ جسم میں روحِ حیات

پھونکی۔ ماتم نے اس بے نظیر قربانی کو آج تک زندہ رکھا۔ ذکرِ حسینؑ اور ماتمِ حسینؑ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں حسینؑ کے مصائب کا ذکر ہوگا وہاں ماتمِ حسینؑ خود بخود برپا ہوگا۔

۳۔ یہ تنگ دل مُلّا کی کوتاہ فہمی ہے کہ اس نے دین کو تسبیح و مصلّٰی تک محدود کر رکھا ہے۔ لیکن سرورِ دو عالم سیّد المرسلین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے جس دین کے محل کو تعمیر کیا۔ اس میں سماجی و معاشرتی فلاح کے تجربے بھی بنائے۔ آپ نے ایسا معاشرہ عملاً تشکیل دیا جس میں رہن سہن اور باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کے عمدہ طریقے تعلیم فرمائے۔ بین الاقوامی مدنیت اور شہری اخلاق کے تمام ضابطے اس معقول حکمتِ عملی پر متفق ہیں کہ بوقتِ مصیبت اظہارِ افسوس کیا جائے۔ غم کے اوقات میں تعزیت کے جذبات کا مظاہرہ کیا جائے۔ اس سے باہمی اخوت، آپس کی محبت اور کرداری خلوص کو تقویت پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بوقتِ صدمہ کسی ملول کے ساتھ بے رُخی، عدم توجہگی اور اظہارِ مسرّت کے ساتھ پیش آیا جائے گا تو اسے انتہائی سنگدلی اور عداوت سے تعبیر کیا جائے گا۔ انتقالِ پُرملال تو بعد کی بات ہے۔ اسلام تو معمولی مریض کی عیادت و مزاج پُرسی سے غفلت کی بازپرس کرتا ہے۔ چہ جائیکہ ایسے معتدل و متوازن دین کو یہ کہہ کر بدنام کیا جائے کہ اس کو تلافی سجان پر کوئی رنجش نہیں ہوتی۔ اگر اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ صدمہ کے اوقات پر غم نہ کیا جائے۔ تو ایسے دین کو آج کی دنیا دینِ بے رحم سے یاد کرے گی۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کردارِ مقدّس سے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اظہارِ تعزیت، ماتم داری اور سوگواری ایسے اعمال ہیں جن سے اسلامی معاشرہ میں بھائی چارہ، امن و سلامتی اور پُرخلوص دوستی کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ اگر محض نماز، روزہ اور دیگر عبادات ہی دین کیلئے کافی ہوتیں تو پھر رہبانیت کی مخالفت کر کے اسلام مادّی دنیا کی جانب توجہ نہ کرتا۔

الغرض جس پاک معاشرہ کی تشکیل رسول پاکؐ نے کی تھی۔ اُمّت کے ناہنجار افراد نے اس کی بنیادیں بڑی جلدی کھوکھلی کر دیں۔ بنی اُمیہ کے قیصر و کسریٰ نے اس مقدس محل کو اس طرح متزلزل کیا کہ وہ منہدم ہونے سے بال بال بچا۔ اگر حسینؑ سہارا نہ دیتے اس کا حشر بھی آثارِ قدیمہ کے موافق ہوتا۔ گویا امام حسینؑ کی قربانی منہدم اسلام کی تعمیر کی بنیادی اینٹ تھی۔ عزاداری اس مایۂ ناز قربانی کی یاد تازہ کرنے کا انتہائی ہمدردانہ طریقہ ہے۔ چنانچہ مفکرِ اسلام شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال جو ورد بر صبح کیا کرتے تھے اس کا آخری شعر یہ تھا

از فکر عاقبت رہیدم
جنس غم آلؑ تو خریدم

یعنی مولا! میں عاقبت کی فکر سے چھوٹ گیا ہوں۔ کیوں کہ میں نے آپ کی آل پاکؑ کے غم کی جنس کو خرید لیا ہے۔

الغرض ہر سال بلکہ ہر وقت حضرت سید الشہداء سرکار امام حسین علیہ السلام کے غم منانے کی تجدید و تاکید اشد ضروری ہے۔ تاکہ پرستارانِ بنی اُمیہ اس داستانِ معرکۂ حق و باطل کو طاقِ نسیاں میں نہ رکھ چھوڑیں۔ یہ فرزندِ رسولؐ کی شہادت ہے۔ لختِ جگرِ بتولؑ کا بے جرم و خطا بہیمانہ قتلِ عمد ہے۔ وہی رسولؐ کے نورِ نظر کی بے مثال قربانی ہے۔ بھول جانے والی کہانی نہیں۔ لاپرواہی اور بے اعتنائی کا مقام نہیں۔ جو لوگ اس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا تو وہ محبتِ حسینؑ سے بے بہرہ ہیں۔ یا پھر قاتلانِ حسینؑ اور ظالموں کی پردہ پوشی کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ عزاداریٔ حسین سے نہ ہی کسی کو کسی طرح سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ ہی تکلیف۔

عزاداریٔ حسین علیہ السلام شرعاً، عقلاً، اخلاقاً، تہذیباً، تمدناً اور ثقافتاً ہر لحاظ سے جائز، مباح اور موجبِ ثواب ہے۔ خداوند تعالیٰ ہمیں اس کے بجا لانے کی مزید توفیق عطا کرے اور مخالفین کی اصلاح کرے۔ (آمین)

خلاصہ جوابات (قاضی)

یہ ہے کہ مذکورہ ۱۸ دلائل میں سے کسی ایک دلیل سے بھی مروجہ ماتم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ ماتم عبادت ہوتا تو اوّلاً قرآن میں اس کا حکم صریح ہوتا اور ثانیاً احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح ہوتی۔ اور نعوذ باللہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتم کی مجالس بپا کرتے جیسا کہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات پہلے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہیں۔

جوابی تبصرہ

یہ فیصلہ قارئین پر منحصر ہے کہ مذکورہ ۱۸ دلائل سے ماتم ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن قاضی صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کا جواب آغا سید واصف حسین صاحب نقوی کی زبان سے سُن لیجئے۔ اوّلاً بقول شما۔

"اگر قرآن حکیم میں ماتم کے جواز کی نص صریح موجود نہیں ہے۔ تو آپ ماتم کے حرام ہونے کی صریح نص پیش کر کے شیعانِ علیؑ سے ایک لاکھ کی کثیر رقم انعام میں حاصل کریں۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ آپ قرآن مجید سے ماتم کا حرام ہونا کبھی ثابت نہیں کر سکتے ہیں

یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا بھی حرمت کے قائلین کا فریضہ ہے کیونکہ جب تک

کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے تب تک شرعی قواعد کی رُو سے اسے جائز و مباح سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اصولِ فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ "کل شئی مطلق حتی یرد فیہ نھی" یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیئے۔

ثانیاً۔ کسی ایسی حدیث سے جو بلا شبہ زبان مبارک پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی گئی ہو ماتم کا ناجائز یا حرام ہونا۔ انشاء اللہ العزیز کبھی ثابت نہ ہو سکے گا۔ سوائے ایسی حدیث کے جو بنی اُمیّہ حدیث ورکس (لمیٹڈ) میں تیار کی گئی ہو۔ لیکن ایسی حدیث جو قرآن سے مطابقت نہ رکھے کسی مسلمان کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہے۔

ثالثاً۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کی عملی تعلیم دی ویسے ہی اپنے مہربان چچا حضرت ابو طالبؑ اور اپنی پیاری بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے سالِ وفات کو ... عام الحزن کا نام دے کر یعنی سال بھر غم منا کر یونہی اپنے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ پر خود رو کر اور انصاری عورتوں کو ماتم کا حکم دے کر نیز اپنے فرزند جگر بند حضرت ابراہیم پر چشم مبارک سے اشکِ غم بہا کر گریہ و بکا کی سنت قائم کر دی۔

رابعاً۔ ہر سال صحابہ کے ساتھ احد کی گھاٹی میں شہدائے احد پر فاتحہ پڑھنے اور دعا کرنے کے لئے جانا۔ غم شہداء میں ہر سال جلوس نکالنے کی عملی تعلیم نہیں تو اور کیا ہے؟؟

دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لئے تو اس میں سنتِ نبویؐ کے جلوے نظر آ رہے ہیں مگر ؎ دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مروّجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل

(از قاضی مظہر حسین صاحب)

قرآن مجید میں کتنی آیات ایسی ہیں جن میں ایمان والوں کو صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صبر کرنے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مثلاً

۱۔ اے ایمان والو! مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔ بیشک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (البقرہ)

۲۔ اور مسلمان وہ ہیں جو سختی، تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ (پ ۲)

۳۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے سچے اور متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر چھوڑنے والے اور سینہ کوبی کرنے والے سچے اور جنتی ہیں۔ یا ماتم کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔

۴۔ اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو مٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت کا گھر اور بہشت ہیں۔ (پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع ۳)

اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے نہ کہ ماتم کرنے والوں کو۔

جوابی دلائل

۱۔ سب سے پہلے یہ عرض ہے کہ عزاداری منافی "صبر" نہیں ہے۔ اور حکم صبر

مخالفت عزاداری کی دلیل قرار نہیں پا سکتا ہے۔ اگر رونا دھونا صبر کے خلاف ہے تو پھر قرآن میں سورۂ بنی اسرائیل میں کیوں کہا گیا ہے کہ گریہ زاری خشوع میں اضافہ کرتی ہے۔ (دیکھئے چودہ مسئلے صـ۵۵)

پس تینوں آیات جو صبر سے متعلق ہیں ماتم کے حرام یا ناجائز ہونے کی دلیل میں ہرگز پیش نہیں کی جا سکتی ہیں۔

۲۔ اگر عزاداری صبر کا متضاد ہے تو براہِ نوازش آیات کا ترجمہ اس مفہوم سے کر کے عبارت کا ربط قائم رکھ کر دکھایئے۔

۳۔ اگر ماتم بے صبری ہے تو پھر جواب دیا جائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی طویل المدت ماتم داری جو کہ اس حد تک تھی کہ بقول قرآن مجید قریب بہ ہلاکت تھی اُسے "صبر جمیل" کیوں کہا گیا۔

۴۔ قرآن حکیم سے تو غم منانا، سوگوار ہونا "صبر" کے اعلیٰ مدارج میں داخل ثابت ہے یعنی صبر جمیل ہے۔

۵۔ پُر رقت و غمگین جذبات سے خدا سے دُعا کرنا۔ نماز میں بحضور خداوند کریم گڑگڑانا۔ رو رو کر خضوع و خشوع میں اضافہ کر کے حاجت طلب کرنا تو عابدین کرام کا شیوہ رہا ہے۔ اگر گریہ ناجائز ہے تو پھر خاصانِ خدا نے اس فعلِ حرام کا ارتکاب عین حالتِ عبادت میں کیوں کیا؟

پس آپ کا خود ساختہ مفہوم لغو ہے کہ عزاداری بے صبری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی پیش کردہ آیت میں مستعمل لفظ کا ترجمہ مفسرین نے بایں الفاظ کیا ہے۔

"اے مسلمانو! قوت پکڑو ثابت رہو اور نماز سے اللہ کی راہ میں بےشک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے" (ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی)

فی الحقیقت یہاں "صبر" کے معنی استقامت و ثابت قدمی ہی کے ہیں کیونکہ اگلی آیت میں جہاد کا تذکرہ ہے۔ اللہ تو مجاہدے میں مسلمانوں کو "صبر" مضبوط کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ اور قاضی صاحب اس کو ماتم ترک کرنے کی دلیل بنا رہے ہیں اب اللہ کی بات مانیں یا قاضی جی کی۔

اسی طرح دوسری آیت شریفہ کا ترجمہ آپکے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھ لیتے ہیں۔ آپ نے بتایا ہے کہ

"جو لوگ مستقل رہنے والے ہوں۔ تنگدستی اور بیماری اور قتال میں یہی لوگ (سچے) متقی (کہے جا سکتے ہیں)"

اسی آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر محدث یوں کرتے ہیں کہ

"جو ٹھہرنے والے سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے"

یہاں بھی شاہ صاحب کا ترجمہ ہی صحیح ہے۔ کہ جہاد میں جتنی سختی ہو، جنگ میں جتنی تکلیف کا سامنا ہو۔ میدان میں ڈٹے رہو۔ بھاگو نہیں "بنیان مرصوص" بن جاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ اس آیت میں بھی صبر سے مراد جہاد میں ثابت قدمی ہے اور میدانِ جنگ سے فرار بے صبری ہے۔ لہٰذا مجاہد غیر فرار کے ساتھ اللہ ہے اور وہی سچے اور متقی ہیں۔ بھگوڑے بے صبر ہیں ان کے جہاد کا خدا و سچ اور تقویٰ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

اب چونکہ ماتم کرنا بے صبر ہونے کی دلیل ہی نہیں لہٰذا سید الشباب اہل الجنہ حضرت امام حسینؑ کے ماتمی سچے اور متقی ہیں اور یقیناً اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ کیونکہ ماتمی مظلوم کے ساتھی ہیں۔ اور ظالم کے دشمن لہٰذا اللہ جو عادل ہے مظلوم گروہ کا ہی ساتھی ہے۔

۳- اب قاضی صاحب کی نقل کردہ تیسری آیت کا ترجمہ بھی شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

" اور وہ جو ثابت رہے۔ چاہتے توجہ اپنے رب کی۔ اور کھڑی رکھی نماز۔ اور خرچ کیا ہمارے دئے میں سے چھپے اور کھلے اور کرتے برائی کے مقابلے میں بھلائی ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر"

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

"یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے رب کی رضامندی کے جویاں رہتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر بھی کرکے خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔ اس جہان میں نیک انجام ان لوگوں کے لئے ہے۔"

اگر ان مختلف تراجم پر تعصب اور تنگ نظری کو دور کرکے ایماندارانہ غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق مروجہ یا غیر مروجہ ماتم سے کسی طرح بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اپنی تفسیر بالرائے کرکے ان آیات کو ماتم کے حرام و ناجائز ہونے کی دلیل بنانا نہ صرف علمی خیانت ہے بلکہ شرعی جسارت بھی ہے۔ علمائے اسلام کے نزدیک خودساختہ تفسیر قرآن حرام بھی ہے اور گمراہ کن بھی ہے۔

دلیل چہارم "اصول کافی ماتمیوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے ٹائٹیل پر یہ لکھا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے متعلق یہ فرمایا ھٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا" (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لئے کافی ہے)

اس میں یہ روایت ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لئے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لئے سر۔ پس جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں اسی طرح سنی امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ جناب امیرالمومنین قبر رسول ؐ پہ

رہتا۔" (اصول کافی ص۱۴۱)

جواب "اصول کافی" شیعوں کی کتب اربعہ میں ہے۔ ہم اس کے مستند ہونے سے انکار نہیں کرتے جیسا کہ آپ کی عادت ہے لیکن امام مہدیؑ کا یہ تحریر فرمانا کہ یہ شیعوں کے لئے کافی ہے۔ ہمارے ہاں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ ہم ہر مرتبہ اس کی تردید کرتے ہیں۔ اور صرف احقرالزمن نے اپنی کئی کتابوں میں اس کا تکرار کیا ہے۔ مگر پھر بھی آپ حضرات اس بات کو زبردستی ہمارے سر تھوپتے رہتے ہیں۔ حالانکہ تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طابع نے محض تجارتی فوائد کی خاطر یہ جملہ امام سے منسوب کر دیا تھا۔ ہمارے ہاں تو قرآن کے بعد کتب خواہ وہ کتنی ہی مستند و بلند پایہ ہوں کو صحیح تک نہیں کہا گیا ہے۔ اور خود علامہ یعقوب کلینیؒ نے اپنے مقدمہ میں اعتراف کیا ہے کہ اس میں صحیح و ضعیف ہر طرح کی روایات ہیں۔ جبکہ آپ کے ہاں "صحاح ستہ" سے مراد جو صحیح کتابیں مانی گئی ہیں ان میں صحیحین کا لقب بخاری و مسلم کو دیا گیا ہے جبکہ بخاری کا درجہ بعد از کلام باری آپ کے ہاں مشہور ہے۔

قطع نظر اس بات کے کہ ہماری رجال کشی میں یہ روایت جو آپ نے دلیل بنائی ہے ضعیف قرار دی گئی ہے۔ جیسا کہ مراۃ العقول شرح کافی جلد ۳ ص ۱۴۸ میں تحریر ہے کہ "الثانی ضعیف علی المشہور" اور دلائل مسلمات خصم سے ماخوذ ہوا کرتے ہیں۔

ہم آپ کی اس دلیل کو یہ کہہ کر رد کرتے ہیں کہ اس میں منزلت صبر کا بیان ہے جبکہ صبر منافی عزاداری نہیں ہے۔ اور ہم اوپر صبر کے قرآنی معنی آپ کے مکتب فکر کی رو سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ جہاد میں ثابت قدمی رہے۔ نیز اس روایت سے ماتم کی حرمت اور عزاداری کا ناجائز ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے۔

دلیل پنجم

امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ صبر اور مصیبت دونوں مومن کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرنے والا ہوتا ہے۔ اور جزع بے صبری مصیبت کافروں کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع کرنے والا ہوتا ہے۔

(فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۱۲)

اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کے نزدیک صبر کرنے والا مومن ہے اور جزع کرنے والا کافر ہے۔

جواب

۱۔ یہ روایت بھی بطریق ضعیف ہے۔ ملاحظہ کریں مرآۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۹۲۔

۲۔ یا تو آپ صبر کے معنی سے بے خبر ہیں کہ غم و مصیبت پر خاموش رہنے والے اور گریہ و بکا نہ کرنے والے کو صابر سمجھتے ہیں جو شدت صدمہ کے باعث رونے یا پیٹنے والے آپ کی نظر میں بے صبر ہے۔ یا پھر جان بوجھ کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رونا پیٹنا ہرگز بے صبری نہیں ہے۔ بلکہ وقت مصیبت خدا سے گلہ و شکوہ کرکے اس کو اس مصیبت کا ذمہ دار ٹھہرانا بے صبری ہے یعنی فاعل کے فعل پر قلت علم کے سبب بیجا اعتراض کرنا یا نکتہ چینی کرنا ہے۔ اس موقف کی تصدیق قرآن مجید میں موجود قصہ خضرؑ و موسیٰؑ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ سے کہا میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم مجھے وہ باتیں سکھا دو جو تم کو علم لدنی سے حاصل ہوئی ہیں۔ حضرت خضرؑ نے کہا تم میں صبر کی استطاعت نہیں۔ تم ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے جس کی تمہیں خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے۔ میں تمہاری کسی بات میں مخالفت نہ کروں گا۔ چنانچہ جب

حضرت موسیٰؑ نے کشتی میں سوراخ کرنے پر اعتراض کیا تو جناب خضرؑ نے کہا میں کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے۔ یہی جواب جناب خضرؑ نے حضرت موسیٰ کو اس وقت دیا جب انہوں نے قتل غلام پر اعتراض کیا۔ لہٰذا اس قرآنی قصہ کی روشنی میں صبر کے معنوں پر اس طرح روشنی ڈالی گئی کہ بے صبری فاعل عالم کے فعل مبنی بر علم پر اعتراض کرنے کو کہتے ہیں جس کا موجب لاعلمی ہوتا ہے۔

صبر کے معنی علماء کے نزدیک یہ ہیں کہ کَفُّ النَّفْسِ عَمَّا لَا يَنْبَغِیْ۔ یعنی نفس سے امور ظہور پذیر نہ ہوں جو مناسب و موزوں نہیں۔ صبر در حقیقت لڑائی میں ہوتا ہے۔ یا بأساءَ و ضرّاء میں۔ لڑائی میں صبر کا مطلب ہے پیٹھ دکھا کر نہ بھاگے۔

بأساءَ اور ضرّاءَ میں صبر یہ ہے کہ دکھ و تکلیف اور مصیبت میں غیر خدا کے سامنے خدا کی شکایت نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع فزع کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے۔ وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دکھ کی شکایت اللہ ہی کے پاس کی اور یہ واقعہ ہم گزشتہ اوراق میں سپرد قلم کر چکے ہیں۔

پس مندرجہ بالا حقائق کی رو سے ثابت ہوا کہ جب تک خدا کے خلاف غیر خدا سے گلہ شکوہ نہ کیا جائے صرف رونا اور سینہ کوبی وغیرہ کرنا ہرگز بے صبری نہیں ہے۔

اس ضعیف روایت سے بھی معترض کی دلیل مضبوط نہیں بن سکتی کیونکہ اس میں ماتم داری وغیرہ کی ممانعت کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ دو طبقوں کی علامت بیان ہوئی ہے کہ مومن مصیبت میں اپنے ایمان و ایقان پر ثابت قدم رہتا ہے اور اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی جبکہ کافر مصیبت میں بے صبری میں

کا مظاہرہ کرکے خدا پر اعتراض کرتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لوگ مصیبت کے اوقات میں واویلا و شور و شیون کرکے تقدیر کو کوستے تھے اور اشعار میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت و حکمت پر تنقید کرکے بے صبری کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔ اسی بات کو اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس دلیل کو مردود قرار دینے کیلئے ہمارا صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ضعیف روایت سے استدلال کرنا خلافِ اصول ہے جبکہ اس روایت میں بھی صبر و بے صبری کا بیان ہے جسے عزاداری امام حسین علیہ السلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کیونکہ غم حسین میں سوگوار ہونا منافی صبر ہرگز نہیں ہے۔

جزع کی تعریف

دلیل ششم

اب یہ دیکھنا ہے کہ "جزع" کس کو کہتے ہیں جس کے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ تو اس کے متعلق بھی امام جعفر صادق کا فرمان موجود ہے:۔

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قلت لہ ما الجزع ——— فی غیر طریقہ الخ (فروع کافی جلد اوّل ص۱۲)

یہ دریافت کرنے پر کہ جزع کیا ہے۔ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ سخت جزع شور و فغاں اور بلند آواز سے چیخنے چلانے اور منہ اور سینہ پیٹنے اور سر پیشانی کے بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں۔ اور جس نے نوحہ کی مجلس قائم کی اس نے صبر چھوڑ دیا۔ اور اسلام کے راستے کے خلاف چلا۔

عویل کا معنی ہے آواز سے رونا اور ویل کا معنی ہے مصیبت پر شور و فغاں کرنا۔ (غیاث اللغات)

ف ہمارے مروجہ ماتم میں جو افعال کیے جاتے ہیں اور جن کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے اس کے متعلق امام جعفر صادق کا صریح فتویٰ ہے کہ ایسا کرنے والا صبر کو چھوڑنے والا اور اسلام کے خلاف چلنے والا ہے۔"

جواب

ا:۔ منقولہ روایت ضعیف ہے۔ اس روایت کے راوی سہل بن زیاد کے بارے میں علامہ حلّی نے "کتاب الرجال" میں تحریر کیا ہے کہ سہل بن زیاد بالکل ضعیف اور فاسد الروایہ ہے۔

مراۃ العقول جلد ۳ ص۱۹ میں ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ حتیٰ کہ فروع کافی میں خود اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ دیکھئے باب ۱۷۱ روایت ۱ کتاب الجنائز ص۱۸۶۔

ب:۔ کسی ضعیف روایت پر بحث کرنے کی اصولاً تو ضرورت نہیں رہ جاتی مگر ہم مناسب خیال کرتے ہیں اس روایت پر مختصراً گفتگو پیش کریں۔

۱۔ فاضل معترض قاضی مظہر حسین صاحب نے یہ روایت غالباً اصل کتاب سے نقل نہیں فرمائی ہے بلکہ نقل در نقل کا عمل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے اس کو "عن ابی جعفر علیہ السلام" سے شروع کیا ہے جبکہ فروع کافی میں "عن ابی عبد اللہ علیہ السلام" ہے۔

۲۔ اصل عبارت اس طرح ہے "عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قلت ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجز الشعر من النواصی اقام النواحۃ فقد ترک الصبر واخذ فی غیر طریقہ ومن صبر واسترجع وحمد للہ عز وجل

فقد رضی بما صنع اللّٰہ ووقع اجرہ علی اللّٰہ ومن لم یفعل ذلک جری علیہ القضاء وھو ذمیم واحبط اللّٰہ اجرہ ۔ (ضعیف)"

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے اس پوچھنے پر بتایا کہ "جزع" کیا ہے۔ فرمایا "شدید جزع" (جو حدود عادلہ سے باہر ہے اور نا جائز ہے) شور و غل و چیخ و پکار کرنا، منہ پر طمانچے مارنا اور سینہ کو مٹنا، سر کے بال نوچنا اور نوحہ کرانا یہ صورت ترک صبر کی ہے۔ اور طریقہ غیر اختیار کرنا ہے۔ اور جس نے صبر کیا اور استرجاع کیا (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہا) اور اللہ کی عزت و جلالت کی حمد کی اور مشیت خدا پر راضی ہوا اور اپنا اجر اللہ پر رکھا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا حکم خدا تو جاری ہو کر رہتا ہے تو وہ قابل مذمت ٹھہرا اور اس کا اجر ختم کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہو تو اس سے صرف یہی مطلب اخذ ہو سکتا ہے کہ کسی عام مصیبت پر مقررہ حدود سے تجاوز کر کے جزع کرنا بے صبری بھی ہے اور نا جائز بھی۔ زمانہ جہالت میں وقت عزاداری لوگ شور و شیون سے رو کر اور چیخ و پکار کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں نازیبا اشعار بنا کر نوحے کیا کرتے تھے یہ مذمت اُن ہی فرسودہ رسوم کی ہے۔ لیکن عزاداریٔ امام حسین علیہ السلام سے خدا کی عزت و جلالت اور حمد کی حفاظت برقرار رہتی ہے۔ اور ہم عزادار اللہ کے خلاف کوئی گلہ شکوہ نہیں کرتے اور ہماری عزاداری "اشد الجزع" کے حدود تک نہیں پہنچتی ہے۔

ج ۔ ہمارے ہاں معصوم کا قول ہے کہ ہر جزع و فزع قبیح ہے۔ مگر حضرت امام حسین کے لئے یہ سب کچھ جائز ہے۔ لہٰذا شیعہ عام عزاداری کے ہرگز قائل نہیں. بلکہ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے مصائب پر ماتم کرنا عبادت سمجھتے ہیں

اس تخصیص پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ ماتم قرآن و حدیث سے جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ "اقوال سوء یعنی جزع و فزع وغیرہ مظلوم کے لئے جائز ہے۔ اگر ماتم مجازاً بھی ہو تو بھی قرآنی اجازت ماتم حسینؑ کے لئے موجود ہے۔ لہٰذا جب نصِ قرآن موجود ہو تو پھر خلاف قرآن حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔

دلیل ہفتم "امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مصیبت کے وقت اپنے ران پر ہاتھ مارے تو اس کا اجر و ثواب برباد ہو جاتا ہے۔" (فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

جواب ۱۔ فروع کافی میں اس روایت کے آگے بھی ضعیف لکھا ہوا ہے پھر بھی معترض اس کو دلیل بنا کر علمی مرتبت کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ مراۃ العقول جلد ۳ صفحہ ۹۳ پر اس روایت کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ اس حدیث کے خلاف من لا یحضرہ الفقیہ، کتاب الطہارہ باب التعزیہ میں ہے کہ "مصیبت زدہ جزع کرے یا صبر مصیبت کے وقت اس کا ثواب جنت ہے۔"

۳۔ مشکوٰۃ شریف میں متفق علیہ حدیث ہے کہ مسلمان کو جو مصیبت آئے، تکلیف پہنچے، حزن و ہم سے دوچار ہو جائے حتیٰ کہ کانٹا بھی لگ جائے خدا اس کے بدلے اس کی خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔

۴۔ اگر اس روایت کو مان بھی لیا جائے تو صرف یہ مطلب ہوگا کہ ران پر ہاتھ مارنے سے گناہ کوئی نہیں محض مصیبت کا اجر جاتا رہے گا۔

۵۔ رسول کریمؐ کا ران پر ہاتھ مارنا صحیحین میں مرقوم ہے۔ پس ضعیف روایت کا سہارا معترض کے لئے تنکے سے بھی کمزور ہے۔

دلیل ہشتم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی وفات کے وقت

حضرت فاطمہؑ کو کہ میری وفات پر منہ نہ پیٹنا اور بال نہ کھولنا اور ویل عویل سے نہ چیخنا چلّانا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ قائم کرنا۔ (فروع کافی جلد ۲ ص ۲۱۲)

جواب ۱۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ملاحظہ کریں مراۃ العقول جلد ۱۳ ص ۵۱۳

۲۔ اگر حضورؐ نے حضرت فاطمہؑ کو رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے منع کیا ہوتا تو آپؐ کی وفات کے بعد سیدہ فاطمہؑ زہرا ہرگز نوحہ و ماتم نہ کرتیں۔

۳۔ اہلسنت کی مشہور کتاب البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۳۳ میں ہے:۔
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بستر پر وفات پائی اور حضورؐ کے ارد گرد جو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں پس انہوں نے پیٹ کر اپنے منہ سُرخ کئے ہوئے تھے۔ اگر منہ پیٹنا رسولِ خدا نے منع کر دیا تھا پھر ان مخدرات نے حکم رسولؐ پر کیوں عمل نہ کیا۔
ظاہر ہے کہ اس وقت آپ کی صاحبزادی سیدہ طاہرہؑ بھی ان عورتوں میں شامل تھیں۔ لہٰذا کم سے کم اُن کو اس وقت تو نہ ہی ماتم کرنا چاہیئے تھا اور نہ ہی کرنے دینا چاہیئے تھا۔

۴۔ حضرت فاطمہؑ کے مرثیے اور نوحے کتابوں میں محفوظ ہیں جو انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے غم میں پڑھے۔

دلیل نہم ابن بابویہ نے بسند معتبر امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات جناب سیدہ سے کہا۔

"اے فاطمہ! جب میں مر جاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا۔

(جلاء العیون مترجم اردو حصہ اوّل ص ۶۹ مطبوعہ لکھنؤ)

جواب ۱۔ یہ روایت کافی کی اُسی روایت کا ترجمہ ہے جو گذشتہ دلیل میں لکھی گئی ہے اور اسے بحوالہ مراۃ العقول ضعیف ثابت کیا گیا ہے۔

۲۔ لفظ معتبر میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں۔ چنانچہ اس اصطلاح کے موجد بھی علامہ مجلسیؒ ہیں۔ خود انہوں نے اپنے رسالہ رجال میں اس امر کی وضاحت کی ہے کہ معتبر کا لفظ ضعیف روایات کو بھی شامل ہے۔ ملاحظہ کریں: "ہدیۃ المومنین" "درایت الحدیث" وغیرہ۔

۳۔ اگر پیغمبرؐ نے اپنی دختر کو ان امور سے منع کیا ہوتا تو ناممکن ہے کہ جناب سیدہؑ اُن پر اصرار فرماتیں۔ لیکن شیعہ کتابیں تو رہیں ایک طرف، سُنی کتب سے یہ ثابت ہے کہ بی بی پاکؑ نے اپنے والدؐ کے لئے گریہ و بکا، ماتم و نوحہ خوانی فرمائی۔

۴۔ مشکوٰۃ باب الکرامات فصل ۱ ص ۵۴۶ میں ہے کہ حضورؐ کی وفات پر سیدہؑ نے یہ نوحہ پڑھا۔

یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ۔ یا ابتاہ من جنت الفردوس ماواہ
یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ۔

(یہ نوحہ بخاری شریف جلد ۲ ص ۶۴۱ پر بھی درج ہے)

۵۔ معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۱۲ میں ہے "فاطمہ فغاں کناں آواز بر آورد کہ یا ابتاہ۔ واویلا برمن"

۶۔ معارج النبوۃ میں سیدہؑ کے وہ مرثیے درج ہیں جو آپ نے حضورؐ کے انتقال پُر ملال پر پڑھے۔ ان میں ایک شعر کا ترجمہ حاضر ہے:۔
جب میرا شوق زیادہ ہوتا ہے تو میں روتی ہوں۔ آپ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ نوحہ و شکوہ کرتی ہوں" الخ۔

۷۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ روایات صحیح ہیں تو ان کا مطلب محض تسلی و تشفی ہوگا۔

ان میں حلال و حرام کا پہلو نہیں نکلتا ہے۔

۸۔ عقلی اعتبار سے یہ روایات اس لئے مجروح ہیں کہ ایسے اوقات میں باپ کا بیٹی کے ساتھ اس طرح کی گفتگو کرکے بیٹی کے زخموں پر تیل چھڑکنے کے مترادف ہے۔ جبکہ اکثر ایسے مواقع پر لواحقین کو پُرامید رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور مایوس کن گفتگو سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ کسی غیر سے تو آدمی ایسی باتیں کر لیتا ہے مگر بیٹی کا رشتہ ایسا حساس واقع ہوا ہے اس سے ایسی گفتگو کرنا جلتی پر تیل ڈالنا ہوتا ہے۔

دلیل دہم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

پس جمیع اہل بیت میرے اور بیبیاں میری بعد اتب اشارہ اور سلام مجھ پر کریں جو حق اشارہ اور سلام کرنے کا ہے۔ اور وہ آزاد بعد اسے نالہ و نوحہ نہ پہنچائیں۔ (جلاء العیون صفحہ ۴۲)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نالہ اور نوحہ کرنے سے دکھ ہوتا ہے۔ لیکن یار لوگوں نے اسی کو عبادت جنت کا نشان سمجھا ہوا ہے۔

جواب

یہ روایت بھی پہلی روایت سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گذشتہ روایت میں مخاطب حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا ہیں اور اس میں جمیع اہل بیت اور ازواج سے خطاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ روایت بھی قابلِ تسلیم نہیں۔ کیونکہ خلافِ واقعہ ہے۔ اگر آنحضرت نے اپنے اہلِ بیت اور ازواج کو نوحہ ماتم سے منع فرمایا ہوتا تو ناممکن تھا کہ یہ افراد اس حکم سے سرتابی کرتے۔ لیکن کتب معتبرہ میں روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی وفات حسرت آیات پر اہل بیت، ازواج اور صحابہ نے آہ و بکا کی۔ ماتم کیا اور نوحہ و مرثیہ خوانی کی۔

معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۱۳ صفحہ ۲۳ میں لکھا ہے کہ "امہات المومنین بہ نالہ و نفیر باوج فلک اثیر رسانیدند وطائفہ از اصحاب آواز برکشیدند وامحمدا و فاطمہ گفت وا محمد بناہ"۔

یعنی ازواج نبی نے نالہ و فریاد برپا کیا کہ آواز آسمان تک پہنچی اور صحابہ کی ایک جماعت نے وا محمد کے بین کرکے نوحہ کیا اور فاطمہ ہائے محمد کرکے فریاد کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ اُمّ المسلمین نے فرمایا جب حضور کی روح نے قفسِ عنصری سے جدائی اختیار کی تو آپ کا سر اقدس میری گود میں تھا۔ پھر میں نے سر اقدس کو تکیہ پر رکھا اور میں اٹھ کر عورتوں کے ساتھ ماتم کرنے لگی۔ میں اپنا منہ پیٹ رہی تھی۔

(سیرۃ حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۴۱۶، سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳۰۵، تاریخ طبری صفحہ ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۷۴ وغیرہ)

بیہقی نے روایت کیا کہ "حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی عائشہ سے اُن کے گھر میں داخل کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر اندر آئے۔ رسولِ خدا فرش پر وفات پا چکے تھے۔ عورتیں ان کے گرد تھیں۔ اور انہوں نے منہ چھپایا۔"

(کنز العمال فی ذکر ما یتعلق من موت رسول اللہ من الباب الرابع۔ فی شمائل رسول اللہ من الکتاب الرابع من حرف الشین)

پس اس طرح کی متعدد صحیح روایات کتب میں موجود ہیں جن میں آنحضرت کی وفات پر جمیع اہل بیت، ازواج النبی اور اصحاب النبی امورِ عزاداری بجا لائے۔ اگر آنحضرت نے ممانعت کر دی ہوتی تو یہ بزرگ ہرگز نافرمانی نہ کرتے اور نہ ہی بقول شما اپنے رسول کو دکھ پہنچاتے۔ کیونکہ وہ ہم سے

بہتر جانتے تھے۔ کہ آنحضرت ؐ کو ایذا دینا خدا کو ناراض کرنا ہے۔

اگر وہ لوگ رسوم عزاداری کا ارتکاب کر کے جنّت کے نشان مانے جا سکتے ہیں تو پھر ہم غریبوں پر عتاب کس بات پر کہ ہم تو ان ہی نیک لوگوں کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے خلاف عزاداری کرنے پر کسی فتوے کو صادر کرنے سے پہلے خوب غور کر لیا کریں کہ اس کی زد سے حضرات اہلِ بیتؑ ازواج النبی اور اصحابِ رسولؐ بھی محفوظ نہ رہ سکیں گے۔ اور بات بہت دُور نکل جائے گی۔

دلیل یازدہم اور شیخ طوسیؒ وغیرہ نے بسند ہائے معتبر حضرت جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا:۔

"جب کوئی مصیبت پیش آئے تو مصیبت رسولِ خدا یاد کرو کہ ایسی مصیبت ہرگز کسی پر نہ ہوئی ہے اور نہ ہو گی۔" (ایضاً جلاء العیون صفحہ ۶۹)

تو جب رحمۃ اللعالمین صلے اللہ علیہ وسلّم کی مصیبت شہادتِ حسین وغیرہ سب مصیبتوں سے بڑی ہے۔ اور ایسی مصیبت عظمیٰ پر بھی حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تمام ازواج اہلبیت کو عموماً اور حضرت فاطمہؑ کو خصوصاً نوحہ کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرما دیا تو پھر سانحۂ کربلا کی یاد میں بھی یہ افعال گناہ ہوں گے نہ کہ عبادت اور اس قسم کی مجالس بپا کرنے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت لازم آئے گی نہ کہ اطاعت۔"

جواب اس روایت میں اوّلاً تو ایک لفظ بھی تحریم عزاداری کا مفہوم ادا نہیں کرتا ہے۔ بلکہ یہ روایت غم و اندوہ کی واضح دعوت دیتی ہے۔

اس انسانی فطرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ جب کبھی بھی کسی کو دل پر چوٹ لگتی ہے یا صدمہ پہنچتا ہے یا کوئی مصیبت یاد آتی ہے تو اس کی آنکھیں

پُرنم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ رونا رقّتِ قلب کی دلیل ہے۔ اور اسی غم کے اثر سے حالتِ شدّت میں انسان بے اختیار سر و سینہ پیٹتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے المناک واقعات بسا اوقات ذہنی توازن کھو دینے کا سبب بن جاتے ہیں۔ خصوصاً نوجوان اور جذباتی لوگ ایسے مواقع پر اپنے حواس پر قابو نہیں رکھتے اور غلبہ جذباتِ حزن کے باعث عقل کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے حالات میں اُن سے اگر کوئی نازیبا یا غیر مہذب حرکت بھی سرزد ہو جائے تو اسے قابلِ عفو سمجھ کر درگذر کر لیا جاتا ہے۔ مگر ماتم کے دشمنوں کی دشمنی غلط رہے بھی ہے وہ سینے پر دو ہاتھ مار لینے کو گناہ و بدعت سمجھتے ہیں لیکن اگر ان کے ہاں ایسے حالات میں کوئی ننگی تلوار تھام کر لوگوں کو تہِ تیغ کرنے کا ارادہ بھی کرے تو قابلِ پرسش نہیں بلکہ والہانہ عشق ہے۔

بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کی مصیبت سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ جب بھی اس مصیبت عظیم کو درد آشنا کوئی محب رسولؐ یاد کرے گا تو اس کے دل پر یقیناً چوٹ پڑے گی اور لازماً ماتم کناں ہو گا آلِ محمدؐ نے ہر مقام پر سب سے پہلے آپؐ کو یاد کیا اور آج تک اُن کے پیروکار اسی عمل پر کاربند ہیں کہ اپنی مجلس کا آغاز ذکرِ رسولؐ سے کرتے ہیں اور مسلسل کرتے رہیں گے۔ ہم نے گذشتہ دلائل کے جواب میں عرض کیا ہے کہ حضورِ اکرمؐ نے ازواج و اہلبیت کو عموماً اور بی بی پاکؑ کو خصوصاً عزاداری سے ہرگز نہیں روکا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے وفاتِ نبیؐ پر فرمایا کہ یا رسول اللہ ہر بات پر صبرِ جمیل ہے مگر آپؐ (کی وفات کے پُرالم سانحہ پر) کیلئے نہیں۔ اور ہر جزع قبیح ہے مگر (آپ کے غم میں) نہیں۔

"ان الصبر لجمیل الا علیک ؐ وان الجزع لقبیح الا علیک ؐ۔"

(نہج البلاغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰ بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۳)

آئے تو فرمایا یا رسول اللہ جزع کرنا آپ پر قبیح نہیں اور صبر کرنا آپ پر اچھا نہیں

(تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی صفحہ ۹)

الغرض اس مقام پر اتنی گذارش کر دینا کافی ہے کہ سانحہ کربلا کی یاد میں مجالس و ماتم کا اہتمام کرنا مخالفت رسول ؐ نہیں بلکہ سنتِ رسول ؐ ہے۔ کیونکہ آنحضرت ؐ نے خود اپنی حیاتِ طیبہ میں امام حسین علیہ السلام کی ظاہری زندگی میں عزاداری کر کے اس کو سنت بنایا جیسا کہ حضرت ابن عباس ؓ اور ام المومنین بی بی اُم سلمہ ؓ کا روزِ عاشور حضور کو خواب میں حالتِ عزاداری میں دیکھنا سُنی کتابوں میں مرقوم ہے۔ ملاحظہ فرمائیں میری کتاب "چودہ مسئلے"۔

پس پیش کردہ روایت عزاداری کے ممنوع ہونے کی ہرگز دلیل نہیں ہے البتہ اس سے ثابت ہے کہ ہر مصیبت میں مصیبتِ رسول ؐ کو بڑی مصیبت سمجھو۔

دلیل دوازدہم:۔ امام حسین ؓ کی آخری وصیت

جناب سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلا معلّٰی میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ :۔

"اے بہن! جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ :۔

"میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور نہ اپنے بال نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا ؑ کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا۔ تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔"

(جلاء العیون مترجم باب قضایائے کربلا صفحہ ۳۸۲)

جواب یہ روایت احاد میں سے ہے۔ اور اس کا مدرک بھی جلاء العیون میں نہیں لکھا گیا ہے۔ صفحہ ۱ پر خود مؤلف جلاء العیون نے

اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب میں غیر معتبر روایات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ اس روایت کے سیاق و سباق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کی خاطر کہے گئے۔ میں نے اس روایت پر اپنی کتاب "شیعہ مذہب حق ہے" میں بحث کر دی ہے جو ناصبی صاحب ہی کے جواب میں ہے۔ چنانچہ اس روایت ہی میں ان جملوں کے بعد لکھا ہے۔ "پس اہلِ بیت عصمت را فی الجملہ تسلی نمود و تہیہ سفر آخرت را راست کرد۔"

یعنی امام نے اپنے اہلِ بیت ؑ کو فی الجملہ تسلی دی اور سفرِ آخرت کی تیاری کی۔ اگر امورِ عزاداری شرعی اعتبار سے ممنوع ہوتے تو یہ امر محال تھا کہ مخدرات اہلِ بیت ؑ ان کا ارتکاب فرمائیں۔ چنانچہ جلاء العیون ہی میں ایسی روایات موجود ہیں کہ بعد از شہادت حضرت زینب کبریٰ ؑ اور جناب ام کلثوم ؑ نے ماتم و نوحہ خوانی کی۔ مثلاً لکھا ہے کہ شہادت کے بعد جب ذوالجناح خیموں میں آیا تو فریاد بلند ہوئی۔ ہائے حسین حضرت امام کی ہمشیرہ جناب اُم کلثوم ؑ نے سر کو پیٹا اور ندبہ کر کے وا محمدا کے بین کئے۔ (جلاء العیون صفحہ ۴۰۷) اسی طرح لکھا ہے کہ جب سیدہ زینب ؑ خاتون کی نگاہ امام مظلوم ؑ کے سرِ مبارک پر پڑی تو بی بی نے اپنا سر محمل پر مارا کہ خون زمین پر ٹپکنے لگا۔ اور آپ نے نالہ و فریاد کیا۔ (جلاء العیون صفحہ ۴۱۱) نیز تحریر ہے کہ دربارِ یزید میں جب حضرت ثانی زہرا ؑ کی نظر سرِ امام ؑ پر پڑی تو بے نقاب ہوئیں۔ گریبان چاک کیا۔ ایسے غمناک لہجے میں فریاد کی کہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہوئے اور ہائے حسین ہائے حسین کے بین کئے۔ لیکن یہ شیعہ روایات ہیں۔ اب سُنی روایات لیجئے مقتل ابی مخنف سے عبارت لیں گے تو آپ بلا وجہ شیعہ کہہ دیں گے۔ ینابیع المودۃ کا درجہ آپ کو بلند نظر آئے گا۔ لہٰذا ہم آپ کے چہیتے امام علامہ ابن کثیر دمشقی کو بطور شہادت پیش کرتے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ جب میدانِ کربلا میں دشمنوں نے خیمہ ہائے سادات پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو امام عالی مقام کے پاس سیدہ زینب سلام اللہ علیہا تشریف لائیں اور دریافت کیا کہ ہمارے خیام کے باہر

یہ شور کیسا ہے؟ امام نے فرمایا میں نے اپنے نانا رسول اللہ کو ابھی ابھی خواب میں دیکھا ہے اور آپ مجھ سے فرما رہے تھے کہ تم کل تک میرے پاس پہنچنے والے ہو۔ پس یہ سنتے ہی بی بی زینب نے اپنا منہ پیٹ لیا اور واویلا کیا۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ہشتم صفحہ ۱۷۶ مطبوعہ بیروت)

اسی کتاب میں آگے لکھا ہے کہ جب بی بی اُم المصائب صلواۃ اللہ علیہا نے اپنے برادر گرامی قدر سے وہ اشعار سماعت فرمائے جن میں آنجناب کی شہادت کا اشارہ تھا تو حضرت زینب کبریٰ نے منہ پیٹ لیا۔ گریبان چاک کیا اور بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ (البدایہ والنہایہ صفحہ ۱۷۷ جلد ہشتم مطبوعہ بیروت)

اب سوال یہ ہے کہ بی بی صاحبہ امام پاک کی موجودگی میں دو دو دفعہ یہ امور بجالاتی ہیں اور امام ٹوکنے کی زحمت گوارہ نہیں فرماتے ہیں۔ کیا اس بات کا بیّن ثبوت نہیں ہے کہ شرعاً ان میں کوئی قباحت نہ تھی۔

اسی طرح ابن کثیر جیسے متعصب مؤرخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "قرۃ بن قیس سے مروی ہے کہ جب مستورات مقتل گاہ سے گذریں تو پھوٹ پھوٹ کر گریہ کیا اور اپنے منہ پیٹے۔"

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۹۳، تاریخ طبری جلد ۷ صفحہ ۳۷۰ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۹۳)

ابن کثیر جیسے کٹر سُنّی عالم اور جھگڑالو مؤرخ کا امام مظلوم کی مظلومیت پر سیّدہ زینب کا ماتم تسلیم کر لینا آپ کی دلیل کے مردود ہونے کا وزنی ثبوت ہے۔ واضح ہو کہ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی دو عبارتوں میں قبل از وصیت عزاداری کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ اولاً اُن ممنوعہ افعال سے امام پر ٹوکنا لازم تھا دوم یہ کہ آخری اقتباس میں جمیع مخدرات کا گریہ و ماتم بیان ہوا ہے جس میں سیّدہ زینب کا شمول خود بخود پایا جاتا ہے۔ نیز یہ کہ کتب سُنّیہ اور شیعہ دونوں میں وہ نوحے

اور مرثیے منضبط ہیں جو شہادت امام حسین کے بعد خواتین اہلبیت نے پڑھے سیّدہ اُم کلثوم سلام اللہ علیہا اور حضرت بی بی زینب صلواۃ اللہ علیہا کے نوحہ جات کی موجودگی ثابت کرتی ہے کہ عزاداری ممنوع نہیں ہے اور منقولہ وصیت بطور تسلی و ترحم تھی۔

دلیل سیزدہم

"رونا غم کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔ خوف سے بھی اور محبت سے بھی۔ یہ انسان کے طبعی تاثرات ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم باقی رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔

جنگ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہو گئے اور ستّر اصحاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہو گئے۔ جن میں حضورؐ کے سگے چچا حضرت حمزہؓ بھی تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ بھی تھا۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔

لَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

"اور نہ تم سُست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

(پ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۱۴)

اس آیت کی پیشگوئی کے تحت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیصر و کسریٰ جیسی کفار کی عظیم سلطنتوں پر غالب آ گئے۔ ان غالب آنے والی جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کو خلافتِ راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ عطا فرمایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔"

جواب

شکر ہے کہ معترض نے تسلیم کر لیا کہ رونا "طبعی تاثرات" میں سے ہے۔ یعنی فطری امر ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کا کوئی

حکم فطرت کے خلاف نہیں۔ کسی طبعی تاثر کو روکنا غیر فطری کوشش ہوتی ہے۔
لہٰذا خدا پر یہ الزام لگانا کہ اس نے غم کو باقی نہ رکھنے یا رونے سے منع کیا ہے
ایک بھونڈی جسارت ہے۔ جب آپ خود ہی مان رہے ہیں کہ کبھی غمگین ہوتا ہے تو کبھی
کبھی خوشی کے آنسو نکل رہے ہیں کسی وقت خوف کے مارے محزون ہوتا ہے کبھی
محبت میں اشک افشانی کرتا ہے یا مصیبت کے وقت گریاں ہوتا ہے تو اس کا
کھلا مطلب یہ ہے کہ وہ ولادت سے وفات تک روتا ہے۔ اس لئے گریہ تقاضائے
فطرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے رونے کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:
"کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں؟ اور تم
کھیل کود میں لگے ہوئے ہو۔" (النجم پ۲۷)

رونے کی تاکید تو قرآن مجید میں موجود ہے۔ مگر کتاب الٰہی میں کسی جگہ
انسان کو حالتِ غم میں رونے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ خوف کی حالت میں حزن و
ملال کے اظہار کرنے پر پابندی ضرور ہے۔ جنگِ اُحد کی جو مثال آپ نے پیش
کی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ آپ کے عم
نامدار سمیت ستر اصحاب باوفا کو جامِ شہادت نوش فرمانے کی سعادت نصیب
ہوئی اور بالآخر آپ کو مجبور ہو کر یہ اقرار کرنا ہی پڑا کہ شہداء کا مسلمانوں (اصحابِ
رسولؐ) کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ تھا۔ حالانکہ بقول شما امتحان پاس
کرنے پر مسلمانوں کو صدمہ کی بجائے اظہارِ مسرت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا چاہیے
تھی اور خوشی میں جھوم جھوم کر واہ واہ کے نعرے بلند کرنے میں کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہ کرنا چاہیے تھا۔ مگر افسوس زمانۂ رسولؐ میں ایسا نہ ہوا۔ مسلمانوں کے
دلوں میں صدمہ قائم رہا۔

غم سے باز رکھنے کی جو دلیل آپ نے ساخت فرمائی ہے۔ اُسے کوئی بھی باہوش
شخص قبول کرنے کو تیار نہیں کیونکہ "ولا تھنوا" سے مراد کاہل نہ ہو، سست

ہو کا مطلب حقیقی یہ ہے کہ "ہمت نہ ہارو" اور یہی ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی
نے کیا۔ سیاق و سباق کے مطابق بات یہی ہے کہ اُحد کی شکست سے مسلمان
دل برداشتہ ہو گئے تھے اور جی چھوڑ گئے تھے۔ چنانچہ اللہ نے ان کی حوصلہ
افزائی کے لئے فرمایا ہے کہ کم ہمت کسو، ملول نہ ہو اگر تم مومن ہو تو تمہیں
فتح حاصل ہو گی۔ اس آیت میں عزاداری کا کیا تذکرہ ہے جو آپ نے
اس کو اپنے دلائل میں شمار کیا ہے؟ اگر عزاداری کو حرام ہی قرار دینا خدا
کی منشا میں ہوتا تو یہ بڑا صحیح موقع تھا کہ اس کی حرمت کا حکم نازل کر
دیتا کیونکہ اس وقت پورا مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ رسول خداؐ نے بڑی
حسرت و آرزو سے ماتم حمزہؓ کی فرمائش کی تھی اور انصاری عورتوں نے
پورے خلوص کے ساتھ حکم کی تعمیل کرکے دعائے خیر کا شرف پایا تھا مگر
ایسی کوئی آیت نہ اُتری اور زیر بحث آیت بھی حقیقت میں اظہارِ تعزیت
کا ثبوت ہے کہ خدا نے مسلمانوں کی وقتِ مصیبت پر ملولین کی ڈھارس
بندھائی۔ حوصلہ افزائی فرمائی۔ تسلی دی۔ افسوس ہے کہ اور باتوں میں
اہل مدینہ کے عمل کو حجت کہہ دیا جاتا ہے مگر عزاداری اور ماتم کے عمل کو
اس حجت سے محروم رکھا جاتا ہے۔

باقی رہ گئی غلبہ والی بات تو اس کا جواب باصواب تفصیلاً ہم "شیعہ مذہب
حق ہے" میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ وعدہ حضورؐ کی حیات میں پورا ہو گیا اور
محض ارضی فتوحات کو کمالِ ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا نہ ہی خدا یا رسولؐ
نے فتوحات کو معیارِ ایمان میں داخل کیا ہے بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ خدا شخص
فاجر سے اپنے دین کو تقویت دے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں حدیثِ رسولؐ ہے۔
بہرحال ان باتوں کا موضوعِ سخن سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تردید دلیل
کے بعد اگلی دلیل لکھتے ہیں۔

دلیل چہاردہم حضرت لوط پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرمایا
لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (پارہ ۲۰ سورۃ العنکبوت ع ۴)

"نہ خوف کر اور غم کھا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خوف کو دل سے نکالنا مطلوب ہے اسی طرح غم کو دل سے نکالنا بھی پسندیدہ ہے۔"

جواب آیت کے سیاق و سباق کو ترک کر کے اپنا مطلب نکالنے اور دوسروں کے عقائد کو ہدف طعن بنانے کے لئے خدا کے کلام میں معنوی تحریف کر دینا علمی خیانت اور شرعی بددیانتی نہیں ہے؟ قاضی صاحب نے آیت کا ایک چھوٹا ٹکڑا لے کر "حضرت لوط پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرمایا" لکھ کر جس دھوکہ دہی کا مظاہرہ کیا اس کے انجام کو ہم خدا کے لئے چھوڑتے ہیں۔ مگر ہم اس فریب سے پردہ چاک کر کے اپنا دینی فریضہ پورا کرتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ اس قرآنی عبارت کا عزاداری کے ساتھ رتی برابر بھی واسطہ نہیں ہے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو خلاف فطرت فعل سے باز رکھنے کی پوری پوری کوشش فرمائی مگر اس بدبخت قوم نے اپنے نبی کی نصیحت پر کان نہ دھرے اور اس مذموم فعل میں دن بدن ترقی کرنے لگی۔ حضرت لوطؑ حجت تمام کرنے کے بعد بارگاہِ خدا میں ملتجی ہوئے اور اس بدکار قوم کے لئے نزولِ عذاب کی سفارش کر دی۔ خدا نے اس کو منظور فرماتے ہوئے حسین و جمیل شکل میں اپنے فرشتے بھیجے جو حضرت لوطؑ کے پاس مہمان ہوئے۔ ان فرشتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کر کے اس بدکردار قوم کے دلِ بے ایمان میں حرص بے جا پیدا ہوئی اور وہ فرشتوں سے نامقبول حرکت کرنے کے خواب دیکھنے لگے۔ ان ناپاک عزائم کو بھانپتے

ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کو پریشانی و تشویش ہوئی۔ چنانچہ جب فرشتوں نے نبی کی گھبراہٹ اور خوفزدگی کو دیکھا تو بطور تسلی فرشتوں نے کہا "لا تخف ولا تحزن" کہ اے نبی برحق آپ خوفزدہ و محزون نہ ہوں۔" یہ کلمات فرشتوں کی زبان سے قرآن میں محفوظ ہیں جسے قاضی جی نے حکم خدا ظاہر کرتے ہوئے گول مول عبارت سے لکھ کر عزاداری کے ممنوع ہونے کا تاثر دینے کی بھونڈی کوشش کی ہے۔

یہ سورہ عنکبوت کی آیت ۳۳ کے درمیانی الفاظ ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے تفسیر حقانی کے حوالے سے اس آیت کا تفسیری حاشیہ لکھا ہے جو ہماری تائید میں ہے۔

اگر ایسے دلائل بنانے میں علمی کمال ہے تو پھر اس عبارت سے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے "لا تخف" نہ خوف کر لہٰذا خدا سے خوف کرنا بھی چھوڑ دیجئے۔

دلیل پانزدہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم ملا
فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ۔
(پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص ع ۱)

"پس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور نہ خوف کر اور نہ غم کھا۔ ہم پھیر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے۔" یعنی چونکہ یہ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اس لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے جوانوں کی سرداری ملنے والی ہے۔ اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے۔"

جواب ہمیں کم از کم ایک ناتجربہ کار طالب علم ہونے کی حیثیت سے قاضی مظہر حسین صاحب جیسے کہنہ مشق خاندانی مناظر سے یہ توقع بالکل نہیں تھی کہ

وہ معاملاتِ دین میں بھی سیاسی ہتھکنڈوں کا استعمال کرتے ہیں اور پُر فریب دلائل وضع کر کے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے نہ ہی تفسیر بالرائے سے اجتناب کرتے ہیں اور نہ ہی تحریف فی القرآن کی پرواہ کرتے ہیں جن ناپسندیدہ طریقوں سے وہ اپنے مدعا کو پیش کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اہلِ علم حلقہ میں یقیناً وہ قابلِ اعتراض ہے۔ لیکن صفائی بیان کرنا بھی ہم پر ضروری ہے۔ لہٰذا تحریر کرتے ہیں کہ مجبوری ہے۔

قاضی صاحب نے اس دلیل میں پورا قصہ بیان کرنے سے گریز کیا ہے اور صرف "غم نہ کرنے" کو ثابت کرنے کے لئے بلا لحاظ سیاق و سباق آیت نقل کر دی ہے۔ اور ترجمہ کر کے کہا ہے کہ موسیٰؑ پیغمبر ہونے والے ہیں لہٰذا اُن کی والدہ کو غم نہ کھانے چاہیئے۔" امام حسین علیہ السلام کے ماتم کی تحریم کے لئے یہ دلیل کتنی کمزور ہے' اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے۔ چنانچہ پہلے واقعہ سنئے کہ سورہ قصص میں ہے کہ جب فرعون قبل از ولادتِ موسیٰؑ بہت متکبر ہو گیا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ان گروہوں میں سے ایک گروہ بنی اسرائیل کو اس طرح کمزور کر دیا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو قتل کروا دیتا تھا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا تھا۔ اس ناحق قتل ابنا' بنی اسرائیل کی وجہ نجومیوں کی وہ پیش گوئی تھی جو اس کو بتائی گئی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اس کی سلطنت کی تباہی اور اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا۔" چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت وقوع پذیر ہوئی تو آپ کی والدہ کو ڈر و خوف ہوا کہ اگر اس پیدائش کا علم فرعون کو ہو گیا تو وہ اس بچے کو بھی تہ تیغ کر دے گا۔ اس وقت اللہ نے بی بی صاحبہ پر وحی کی کہ تم اس کو اپنا دودھ پلا دو۔ پھر جب فرعون کے ظلم کا خدشہ ہو تو بلا خوف و خطر اس بچے کو دریا کے سپرد کر دینا اور کسی قسم کا فکر و غم نہ کرنا۔ اس مفارقت پر کیونکہ

میں ضرور تمہارے بچے کو تمہارے پاس واپس پہنچا دوں گا۔ اور اس کو اپنا رسول بناؤں گا۔

اس قرآنی قصہ میں مادرِ موسیٰؑ کو ان کے فرزند کی عافیت و سلامتی کی ضمانت دی گئی ہے تاکہ جو غم ماں کو فطری طور پر اپنے بچے کی جدائی یا ذبحائی کا ہے وہ بالکل رفع ہو جائے۔ اب جب خدا نے بذریعہ وحی والدۂ محترمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بشارت دیدی کہ اُن کے فرزند محفوظ از گزند رہیں گے تو بی بی صاحبہ کا رنج و خوف دُور ہو گیا۔ لہٰذا کسی ڈر یا غم کا جواز ہی نہ رہا۔

لیکن امام حسینؑ علیہ السلام کے لئے ایسی بشارت یا ایسا حکم کہاں ہے؟ آپ کے لئے خبر بھی شہادت کی ہوئی اور وقوع بھی شہادت ہی ہوئی — چنانچہ آپ کی زندگی میں آپ کے نانا' والدہ' والد' بھائی اور دیگر عزا نے بھی گریہ زاری کی اور بعد از شہادت تو کائنات کی ہر چیز نے سوگ منایا۔ یہ دلیل اس صورت میں صحیح ہوتی اگر موسیٰ علیہ السلام شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ اُن کی والدہ کو اُن کے غم منانے سے منع کرتا۔ تب آپ کہہ سکتے تھے اے ماتمی لوگو! موسیٰؑ اللہ کے رسول تھے۔ ان کی شہادت پر خدا نے ان کی ماں کو غم منانے سے روکا ہے۔ لہٰذا تم بھی امام حسینؑ کا غم نہ منایا کرو۔

دلیل شانزدہم

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

"خبردار اولیاء اللہ کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

"عبادت تو اولیاء اللہ کی روحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولاھم یحزنون نہ فرماتے بلکہ فرماتے کہ اولیاء وہ ہیں جو غم کی یادگاریں منانے والے ہیں۔"

جواب اس آیت کے بعد یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے خوفزدہ رہے۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت میں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اولیاء اللہ کے لئے بشارت ہے قیامت کے دن اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔ چنانچہ قیامت کے روز جنت میں تو کسی کو نہ ہی خوف ہوگا نہ غم اس بشارت کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے اور اس آیت میں حضرت امام حسین کی یادگار منانے کی کہاں ممانعت ہے؟

دلیل ہفتدہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غارِ ثور میں دشمنوں کی وجہ سے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غم لاحق ہوا تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار سے فرمایا۔

لا تحزن ان اللہ معنا "نہ غم کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"
(سورہ توبہ)

جواب میری کتاب "یارِ رسولؐ اور غارِ ثور" ملاحظہ فرمایئے۔ میری سمجھ سے یہ باہر ہے حضورؐ کا حضرت ابوبکر کو "لا تحزن" کہہ دینا امام حسینؑ کے ماتم کو روکنے کی دلیل کیسے بن گیا۔ اگر اس امتناع سے مراد عزاداری سے روکنا ہے تو پھر بتایئے کہ حضرت ابوبکر نے وفاتِ رسولؐ پر غم کیوں منایا۔ جبکہ کہا گیا ہے کہ وفاتِ رسولؐ سے حضرت ابوبکر کی کمر ٹوٹ گئی۔ لکھا ہے کہ "شتابی کی حضرت ابوبکر نے اور وہ کہتے جاتے تھے ہائے افسوس میری کمر ٹوٹ گئی۔" (مسند امام اعظم صفحہ ۱۷۹)

نیز تحریر ہے کہ "جب نبی کریمؐ نے وفات پائی تو لوگ حسرت زدہ ہو گئے۔ اور اُن کے حالات مختلف تھے۔ حضرت عمر اس گروہ میں سے تھے جو نبی کی مصیبت میں دیوانہ ہو گیا تھا اور عثمان گونگے ہو گئے اور ابوبکر کی دونوں آنکھیں برس رہی تھیں۔" (نزہتہ الناظرین صفحہ ۲۹۳)

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمالیں کہ حضرت ابوبکر نے غم منانا چھوڑ دیا تھا یا نہیں۔ اسی فیصلہ میں دلیل کی تردید موجود ہے۔

دلیل ہشتدہم اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دی ہے،

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ۔
(سورۃ الحدید ع ۱۹)

"تاکہ تم نہ غم کھاؤ اوپر اس چیز کے جو تم سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اتراؤ اوپر اس کے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔"

یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیئے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں کھانا چاہیئے۔

ہم نے بھی جواب میں ماتم مروجہ کے حرام ہونے پر ۱۸ دلائل پیش کر دیئے ہیں جن میں آیاتِ قرآنی، احادیثِ نبویؐ، ارشادات آئمہ اہل بیت امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آج کل شہادتِ کربلا کے سلسلہ میں جس ماتم کا رواج عام ہو گیا ہے وہ شریعت محمدیہؐ کے اصول پر قطعاً حرام اور قبیح ہے۔ اس کا اس اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جس کے اصول کی سربلندی کے لئے امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے میدانِ کربلا میں اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کر دی تھیں۔"

(خادم اہل سنت والجماعت الاحقر مظہر حسین غفرلہ مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم)

جواب یہ دلیل ممانعت عزاداری کے لئے اس لئے قابلِ قبول نہیں ہے کہ اس سے مراد نقصان پر پچھتاوے سے امتناع ہے۔ تکلیف اور مصیبت سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ عربی دان حضرات اس سے واقف ہیں کہ

زبانِ عرب میں "ما" کا استعمال غیر ذوی العقول کے لئے کیا جاتا ہے جبکہ ذوی العقول کے لئے "من" مستعمل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیۂ مبارکہ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیوی مال ومتاع وغیرہ کے حصول پر اترانا نہیں چاہیئے اور اگر کچھ اشیاء و دولت ہاتھ سے چلی جائے، ضائع ہو جائے یا کوئی نقصان وخسارہ ہو جائے تو اس پر حزن وملال نہ کرنا چاہیئے۔ اس آیت کا عزاداری اور ماتم سے نہ ہی کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ربط۔ لہٰذا دلیل کو دلیل کہنا بے دلیل ہے۔

الغرض ملک غلام عباس صاحب نے "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں جو اٹھارہ دلائل مرتب فرمائے آپ نے اُن کی تردید کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف فرمایا۔ لیکن حق کو دبانا باطل کے بس میں نہیں ہے۔ اسے جتنا دبایا جائے گا اتنا ہی ابھرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے مجبوراً اس حقیقت کو ان الفاظ میں تسلیم کیا کہ "ماتم کا رواج عام ہوگیا ہے۔" آپ کے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کا جواب دینا ضروری نہیں تھا۔ اس لئے کہ اس کا مدلل جواب آپ ہی کے شہر سے آغا سید واصف حسین صاحب نقوی دے چکے تھے۔ احقر نے بھی ان ہی جوابات کو بیشتر دہرایا ہے کیونکہ وہ لاجواب ہیں۔ آپ کی کتاب "سعادت الدارین" تادمِ تحریر نظر سے گذر نہ سکی ورنہ اس کا بھی اس کے ساتھ پوسٹمارٹم ہو جاتا۔ بہرحال ماتم کے حرام وناجائز ہونے کے جو اٹھارہ دلائل آپ نے خود ساخت کئے ہیں اور ان کے جواز میں قرآن مجید کی کچھ آیات، چند احادیثِ نبوی اور آئمۂ اطہار کے تھوڑے سے ارشادات کو توڑ مروڑ کر کے جس طرح آپ نے ان کو اپنے عقائد کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ اس کی حقیقت افشا کر دی گئی ہے۔ تاکہ ایسے افراد جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ آپ کے ناپختہ دلائل کا جواب کوئی شیعہ تاقیامت نہیں دے سکتا، ان کی آنکھیں کھل جائیں۔

آپ کے یہ ٹکسالی فتوے کہ "ماتم کا رواج عام ہوگیا ہے۔ وہ شریعتِ محمدیہ

کے اصول پر قطعاً حرام اور قبیح ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔" عزاداری سید الشہداؑ پر قطعی طور پر اثر انداز نہیں ہوسکتے کیونکہ ہر منصف مزاج اسے محسوس کرے گا کہ اسلام کی بقاء و سربلندی کو ماتم نے زینت بخشی ہے جسے حسینؑ مظلوم نے میدانِ کربلا میں کشتِ اسلام کی آبیاری اپنے خون سے کر کے اسلامی اصولوں کو سرفراز کر دیا ہے۔ سر توڑ کوششوں کا ماتم رکوانے میں سر پیٹ کر ناکام ہو جانا اس بات کی بجائے خود دلیل ہے کہ ماتم حسینؑ منشائے خداوندی کے عین مطابق ہے۔ لہٰذا ہم تو مخلصانہ طور پر یہی گذارش کریں گے کہ مظلوم کے ماتم کو بند کرانے کی کوشش ترک کر دیں۔ کیونکہ یہ کوشش حقیقت میں ظالم کے ظلم میں اس کی حمایت ہے۔ اور خدا ظلم کی طرفداری ہرگز پسند نہیں کرتا ہے۔ آپ سینماؤں میں دکھائی جانے والی بے راہ روی، ٹیلی ویژن کے اخلاق سوز پروگرام، شادی بیاہ کے شادیانے کھیل تماشوں کا شور وغل، بینڈ باجے و راگ ورنگ ہر چیز کو برداشت کرتے ہیں مگر ہماری سمجھ میں یہ آج تک نہ آسکا کہ "ماتم حسینؑ" سے آپ کو کیا پرخاش ہے۔ راہِ خدا یا دلِ نخواستہ ہی سہی "ذکر حسینؑ" کی مخالفت کر کے جذباتِ اخوت و محبت کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ ورنہ علانیہ بتائیں کہ ہمارا ماتم آپ کے لئے باعثِ پریشانی کیوں ہے؟ سینہ ہمارا، ہاتھ ہمارے، منہ ہمارا، زبان ہماری، تکلیف ہمیں، شکوہ نہیں۔ نہ ہی ہم آپ کو زبردستی دعوتِ ماتم بھی دیتے ہیں اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے۔ پھر بلاوجہ ہمارے مذہبی و شہری حقوق کو پامال کرنے میں آپ کو کیا حاصل کیا وصول ہے؟

اس التماس کے بعد اب ہم عزاداری کے مستحب وجائز ہونے پر ایک سو دلائل پیش خدمت کرتے ہیں اور قارئین کو دعوتِ غور دیتے ہیں کہ اپنی صوابدید کے مطابق نتائج اخذ فرما کر حرام وحلال کا فیصلہ کر لیں۔

ایک سو اثباتِ عزاداری

مصائب کے اوقات میں اظہارِ حُزن و ملال اور اُن مصیبتوں کی یادگار قائم کرنا اور اسے آئندہ نسلوں میں باقی رکھنا اقوامِ عالم کا بہت قدیم دستور ہے۔ پبلک اور پرائیویٹ MOURNING (عام عزاداری) کا ہر ملک و قوم میں طریقہ جاری ہے۔ ہم بطورِ تمہید چند امور کو مفصّل طور پر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کہ مراسم عزاداری صرف شیعوں تک محدود نہیں بلکہ خطۂ ارض میں مقیم تمام اقوام و مذاہب اپنے اپنے تمدّن، ملکی اور قومی ثقافت کے مطابق اپنے اپنے بزرگوں اور سرداروں کی یادگاریں قائم کرتے ہیں۔ اہلِ مغرب جو تہذیب و تمدّن کی اعلیٰ ترقیوں اور سائنس و فلسفہ کی بالائی منزلوں پر فائز ہونے کے دعویدار ہیں وہ بھی اس فطری انہماک میں پابندِ رسوم نظر آتے ہیں۔ چنانچہ چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:—

حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے گدھے کا گھر

ہالینڈ کے مشہور اور قدیم گرجے میں حضرت عیسیٰؑ کے گدھے سے منسوب ایک گھر کو محفوظ رکھا گیا ہے۔ اس کی زیارت آج تک بڑی عقیدت و احترام سے کی جاتی ہے۔

ہالینڈ ہی کے ایک اور معبد میں ابنِ مریم سے منسوب عضو کا کوئی خاص جزو بڑی احتیاط سے محفوظ کیا گیا ہے۔ لاکھوں مسیحی عقیدت مند پورے خلوصِ نیت سے ہر سال اس کی زیارت بجا لاتے ہیں۔

شبیہیں اور جلوس

بیلجیم کی مشہور اور قدیم قوم اپنے مراسم مذہبی

کو مختلف شکل و صورت میں بجا لانے کے لئے یورپ کی دوسری مسیحی برادری میں خصوصاً ممتاز ہے۔ اُن کے سالانہ مراسم کے مختلف جلوسوں میں ایک عظیم الشان جلوس ولادتِ عیسیٰؑ کے متعلق واقعہ نذرِ تولید کا نکالا جاتا ہے۔ جس میں حضرت مریمؑ کی شبیہہ۔ مسیحؑ ابنِ مریم کو گود میں لئے ہوئے ان کے پہلو میں یوسف نجار اپنے ہاتھوں میں نذر کی بیت المقدس کے لئے دو کبوتر کے بچّے لئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تصویر مذہبی ولادت کے بعد حضرت مریم کے اوّل داخلہ بیت المقدس کی یادگار ہے۔ بنی اسرائیل میں اُس وقت یہ رواج تھا کہ پیدائش کے بعد ہر بچّے کو پہلے بیت المقدس لاتے تھے، تو حسبِ دستور صدقے کے لئے کبوتر کے دو بچّے بھی ہمراہ لا کر چڑھائے جاتے تھے۔
(اپالوجی غلام محمد از ڈیون پورٹ۔ پیپل آف نیشن ٹی۔ اے ہنٹین جلد ۱ صفحہ ۳۹۴)

خونِ مسیح کی زیارت

بیلجیم کے مشہور شہر برگز میں خونِ مسیح کی زیارت کا سالانہ جلوس بڑی حرمت اور شان و شوکت سے نکالا جاتا ہے۔ لاکھوں کی تعداد میں عیسائی عقیدت مند پوری ارادت اور نیک نیتی سے دور دراز مقامات سے آکر شرکت کرتے ہیں۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ شاہزادہ تھیوڈرک کاؤنٹ آف فلینڈرس بیت المقدس سے حضرت عیسیٰؑ کا ایک قطرۂ خون اپنے ہمراہ لایا اور برگز شہر میں ایک عبادت گاہ تیار کرا کے اس میں ایک شیشہ کے اندر اس مقدس قطرہ لہو کو رکھ دیا گیا۔ اب اسی شیشۂ خونِ مقدس کا سالانہ جلوس نکالا جاتا ہے۔ مسٹر ہمینٹن کی تاریخ میں جو اس جلوس کی تصویر صفحہ ۳۶۵ پر بنائی گئی ہے اس کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیشۂ خونِ مبارک ایک عماری صندوق یعنی "ضریح"

کی شکل میں رکھ کر اور خوب آراستہ و پیراستہ کر کے برگز شہر کے سرکردہ مذہبی پیشوا ننگے سر ننگے پاؤں اپنے کندھوں پر اٹھاتے ہیں اور اس شہرِ عظیم کی تمام گلیوں اور بازاروں میں اس کا گشت کراتے ہیں۔ اس مقدس جلوس میں تمام سلطنت کا جلوس شاہی مع جملہ شاہی خاندان بصد اعزاز و تعظیم اور تزک و احتشام برابر ساتھ رہتا ہے۔

(بحوالہ پیوپل آف نیشن ٹی۔ اے ہمینٹن صفحہ ۳۵۶ جلد اوّل)

اب ہم بصد ادب قاضی صاحب اور دیگر مخالفینِ عزاداری سے انصاف کے تقدس کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا ضریح، تعزیہ اور دیگر جلوسِ عزا میں بالکل یہی سامان نہیں ہوتے؟ اس مقدس اہتمام کے سوا عزادار کوئی خلافِ آداب و اخلاق سامان کی فراہمی تو نہیں کرتے کہ کسی کی دل آزاری ہو؟ بہت افسوس کی بات ہے کہ ممالک یورپ کے دوسرے فرقے بشمول عیسائی گروہ جو اس طرح کے مراسم بجا نہیں لاتے ہرگز بلجیم کے عیسائیوں پر انگشتِ اعتراض نہیں اٹھاتے اور ان کے ساتھ درپے فساد و آزار نہیں ہوتے مگر مسلمان کہلانے والی قوم جس کے دین کا نام ہی سلامتی پر ہے بلاوجہ عزاداریٔ نواسۂ رسولِ اسلام پر ماتم گساروں سے ہی جان کا بیر رکھتے ہیں۔ اے برادرانِ اسلام! کچھ تو عبرت پکڑو۔ آنکھیں کھولو کہ ہم مظلوم کلمہ گو بھائی ہیں۔

یوم وفات پر جلوس

سینٹ ویٹو ولی قوم مسیحی مقیم مراکش کی شہید خاتون ہے۔ روایاتِ کثیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس خاتون کا مقبرہ سیلاب آنے کے باعث دریا برد ہو گیا تھا معتقدانِ قوم بڑی تگ و دو سے اس کی باقی ماندہ اجزائے لاش کو جزیرہ کارسیکا سے جہاں اس کا صندوق جا لگا تھا واپس لے آئے۔ ہر سال سات جنوری (یوم وفات خاتون)

کو بہت بڑا جلوس نکالا جاتا ہے اور شہر کے تمام گلی کوچوں میں تحصیلِ ثواب و برکت کے خیال سے پھرایا جاتا ہے۔ (پیوپل آف نیشن جلد ۱ صفحہ ۳۵۱)

گوتم بدھ کا دانت

سری لنکا کے ایک بڑے مندر میں مہاتما بدھ کا دانت مدفون ہے جس کی عظمت و حرمت کے خیال سے لاکھوں بدھ مت کے پیروکار ہندوستان، چین، جاپان اور دیگر ممالکِ دنیا سے آکر زیارت کرتے ہیں۔ (یادگار صفحہ ۱۱)

تابوت، تعزیہ، صندوق

تبت کے علاقہ میں ہر سال ایک عظیم الشان جلوس نکالا جاتا ہے جس میں اتنا بڑا مجمع ہوتا ہے کہ اس کے برابر دوسرا نہیں ہوتا۔ یہ جلوس ایک غم کا مظاہرہ ہوتا ہے جو ولی عہد جاپان کی وفات کی یادگار میں ہر سال قائم کیا جاتا ہے۔ گو اس کی وفات کو ساڑھے تیرہ سو برس گزر چکے ہیں۔ اس کا صندوق قبر اس صورت میں بنا کر جیسے تعزیوں کا ہم صورت ہوتا ہے اس عظیم الشان جلوس کے ہمراہ اٹھایا جاتا ہے۔

(پیوپل آف نیشن جلد ۲)

ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر سیاہ پوشی

تاجِ برطانیہ کے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم نے چھ مئی سن ۱۹۱۰ء کو انتقال کیا۔ لیکن اس کی تعزیت برس دن تک جاری رہی۔ پورے چھ مہینے اس کی وفادار رعایا سیاہ پوش رہی۔ سیاہ کریپ اپنے بازوؤں پر باندھتی رہی۔ اور پورا سال تمام سرکاری مراسلات لفافے و خطوط کے حاشیے سیاہ رہے۔ جس دن ایڈورڈ کو دفن کیا گیا اس وقت تمام ممالک اور قلمرو میں گورنمنٹ کا حکم تھا کہ ہر شخص اور ہر چیز عالمِ سکوت میں رہے چنانچہ اس وقت لوگ کہتے ہیں کہ سارے متحدہ ہندوستان کی بلکہ تمام سلطنت برطانیہ کی ریل گاڑیاں جو جہاں تھیں پندرہ منٹ تک وہیں ساکت رہیں۔

ہم نے غیر مسلم اقوام کی چند مثالیں اس ضمن میں اس لئے پیش کی ہیں کہ سلف
صالحین کی سالانہ یادگار قائم کرنے کی بین الاقوامی اہمیت واضح ہو سکے۔ چنانچہ
اس دورِ جدید میں جسے روشنی و تہذیب کا زمانہ سمجھا گیا ہے۔ رسوماتِ عزاداری کی
بجاآوری کا دستور و قاعدہ ان کے مظاہرات کا خالص احترام، ان کے اظہار و
اعلان کا مہتم بالشان انتظام اور تزک و احتشام ان کے مشاہدات میں عقیدتمندانہ
اور مخلصانہ انہماک کا رواج تمام اقوامِ عالم میں بدستور قائم و رائج ہے۔ بین الاقوامی
برادری کے اس مشترکہ رواج کی موجودگی میں ہم شیعوں کی عزاداری پر اعتراض کرنا
بالکل بے جا اور غیر مناسب ہے۔ دیگر حقوق کی بات تو چھوڑیئے۔ دنیا کے موجودہ
تمدن، قومی تہذیب اور ملی ثقافت نیز اصولِ مساوات و آزادی اعمال مذہبی کے
نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ہم ماتمدارانِ آلِ محمدؐ کو بھی اپنے شرعی و قومی امور و
رسوم کی بجاآوری میں دنیا کی دیگر تمام قوموں کی طرح پوری آزادی و یکسانیت حاصل
ہونا چاہیئے۔ اور واضح ہو کہ یہ ہمارا قدرتی حق ہے جس کو نہ تو دنیا کا کوئی مصنوعی
قانون سلب کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کا بلاجواز احتجاج۔ کیونکہ ہم اسے اپنے
مذہب میں مداخلت سمجھتے ہیں۔

میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب میں دیکھتا ہوں کہ تمام دنیا میں اپنے اپنے
رواج کے مطابق عزاداری جاری ہے مگر جب ہم یادِ شہادت مظلومانہ فرزندِ رسولؐ
مقبول ماتمداری کرتے ہیں سیاہ لباس پہنتے ہیں عالمِ حزن و ملال میں رہتے ہیں
دنیوی آرام ترک کرتے ہیں غمِ شبیرؑ میں عالمِ صبر و سکوت میں رہ کر رونے دھونے
ماتم کرنے۔ نوحہ و مرثیہ خوانی کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کرتے تو اس
میں کیا بُرا کام کرتے ہیں؟

حضرت امام حسین علیہ السلام کا عالمِ غربت میں درندہ صفت افواجِ اشقیاء

کے نرغہ میں آجانا، اہلِ حرم کا بے کسی کی حالت میں در بدر کی ٹھوکریں کھانا،
پانی بند ہو جانا۔ سب بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے حتٰی کہ شیر خوار فرزند کا بھوکا
پیاسا تیرِ ستم کھا کر جامِ شہادت نوش کرنا، پھر خود ایک ہزار سے زائد زخموں
میں مجبور ہو کر گھوڑے سے گر جانا اور زخمی حالت میں نماز ادا کرتے ہوئے کُند خنجر
سے ذبح ہو کر "ذبحِ عظیم" کی تعبیر بن جانا۔ لاش کی بے حرمتی، انگشتری کا مع
انگلی جُدا ہو جانا۔ پھر مسلمانوں کا خیمہ ہائے خاندانِ رسالتؐ میں آگ لگا دینا سب
مال و اسباب لُوٹ لینا۔ بچوں کا بے تابی و خوف سے اس طرح منتشر ہو جانا
جس طرح کسی تسبیح کے ٹوٹ جانے سے دانے بکھر جاتے ہیں۔ مخدراتِ عصمت
کا مضطرب و پریشان حال ہو کر سایۂ عافیت کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنا۔
ایک ہی بقیہ مرد امام زین العابدین علیہ السلام کا بیماری کی حالت میں قید ہونا
گلے میں طوق اور پیروں میں بیڑیاں پہن کر ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا،
اور منزل بمنزل تازیانے کھا کر بددعا کے لئے ہاتھ نہ اُٹھانا، پھر عالمِ اسیری کی
رسیوں سے جکڑی ہوئی بی بیوں کا اپنے عزیزوں کے سروں کو نیزوں پر بلند دیکھنا۔
پھر اسی حالتِ زار میں دیار بدیار پھرایا جانا۔ شہر کوفہ جہاں کچھ ہی سال پہلے
وہ شہزادیاں تھیں داخل ہو کر ابنِ زیاد کے دربار میں آنا اور سرہائے شہداء
کا بے گور و کفن دشتِ بلا میں پڑے رہنا۔ سارے عراق میں پھرائے جانے کے بعد
شام کے شہر دمشق میں جا کر قید خانہ میں محبوس ہو جانا اور یزید پلید جیسے
فاسق و شرابی کے دربار میں پانچ سو کرسی نشینوں کے سامنے مثلِ باندیوں کے
حاضر کیا جانا۔ حالتِ اسیری میں سکینہ بنت الحسین کا فوت ہو جانا اور اسی
بیچارگی میں گورِ غریباں میں دفن ہونا۔ کیا یہ ایسے واقعات نہیں ہیں جن کی ہمدردی
اور عزاداری یعنی پبلک سوگ تا قیامت کی جائے؟ کیا یہ عزاداری خود جناب

سرورِ کائنات کی تعزیت نہیں ہے؟ کیا ایسے زمانہ میں جب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اور ان کی اولادِ طاہرین پر ایسے سخت مصائب گذرے ہم کو مناسب یہی ہے کہ اُن دکھوں کو بھول کر واہ واہ کر کے موذیوں کو دادِ تحسین و آفرین سے نوازیں اور مظلومین کو پُرسہ و تعزیت کے لئے ہائے کہنے سے بھی اجتناب کریں۔ اگر واقعتاً اسلام کی یہی تعلیم ہے تو پھر میں کہتا ہوں کہ اس سے بڑھ کر ظلم کی پشت پناہی اور سنگدلی کا مظاہرہ اور کسی مکتبِ فکر میں نہیں ہے!

اس وقت جب عزاداری کی مخالفت حسینؑ کے نانا کا کلمہ پڑھنے والے لوگ کرتے ہیں سخت تعجب ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا کو مذہبِ غیر کے پیروکاروں نے عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ غیر مسلم تک اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ مگر مسلمان اس کو مٹانے کی فکر میں مصروف ہیں۔ ایک عیسائی مذہب مشہور مورخ گبن تحریر کرتا ہے کہ:۔

"مدت مدید اور فاصلہ بعید پر بھی مظلومانہ شہادتِ حسینؑ ایسا واقعہ ہے جو محض بے حس قلب کے سامعین کی ہمدردی کو بھی جگا دیتا ہے۔ اس کی بلاغ یادگار شہادت میں اس کے معتقدین پیروساکنانِ ایران اس کے روضہ پر جا کر اپنی جان و روح کو اس کی عزاداری اور غم خواری کے حوالے کر دیتے ہیں یعنی جان کو جان نہیں سمجھتے۔" (عروج و زوال سلطنت روم از گبن صفحہ ۹۳۲)

ہم نے اپنے تمہیدی بیان میں عمومی عزاداری کو بین الاقوامی سطح پر جانچنے کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے عزاداری سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کی خصوصی اہمیت واضح کرنے کی کوشش کی اب ہم اپنے دلائل بیان کرتے ہوئے ابتدائے آفرینش سے امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کا رواج ثابت کرتے ہوئے دینِ اسلام میں اس کا استحباب پایۂ ثبوت کو پہنچاتے ہیں اور اسی سلسلہ میں

ایک سو دلائل پیش کرتے ہیں۔ ان میں عقلی دلائل بھی ہیں اور نقلی دلائل بھی۔ تاریخ عالم، الہامی کتب، اسلامی کتب اور قرآن و حدیث سے استدلال کر کے یہ اثبات بغرض غور و فکر ہدیۂ قارئین ہیں۔

ثبوت ۱ ۔ حضرت آدم علیہ السلام کا امام حسینؑ کی عزاداری کرنا

خلاصہ معنی یہ ہیں کہ خدا فرماتا ہے کہ آدمؑ نے عرش کے پہلو میں چند کلمات لکھے دیکھے جبرئیلؑ نے وہ کلمات یہ کہہ کر اُن کو یاد کرائے کہ ان کلمات میں ہمارے نبیؐ اور ان کی آل پاکؑ کے نام ہیں۔ آپ خدا کو اُن (ناموں) کا واسطہ دیں اور اس طرح مناجات کریں۔

"یا حمید بحق محمدؐ یا عالی بحق علیؑ یا فاطر بحق فاطمہؑ یا محسن بحق الحسن و الحسین علیہم السلام"۔

چنانچہ آدمؑ نے ان ہی کلمات کی خدا کو سوگند دی۔ جیسے ہی امام حسینؑ کے نام پر پہنچے تو آپ کے قلب میں غم کی آگ بھڑک اُٹھی اور آنسو آنکھ سے بہنے لگے۔ تو جبرئیلؑ سے کہا کہ کیا بات ہے کہ پانچویں نام کے ذکر میں میرا دل پھٹ گیا۔ اور آنسوؤں کی سیل جاری ہو گئی۔ جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کا یہ بیٹا ایسی بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گا کہ تمام مصیبتیں اس کے سامنے کمتر ہیں۔ آدمؑ نے پوچھا وہ کیا ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا وہ پیاسا، یک و تنہا قتل کیا جائے گا۔ اس کا کوئی ناصر و معین نہ ہو گا۔ اور

اے آدمؑ! اگر تم اس کو اس حالت میں دیکھو کہ وہ فریاد کرتا اور چلاتا ہو
کر ہائے میری پیاس اور میری قلتِ انصار و غربت یہاں تک کہ اس کی
پیاس دھوئیں کی طرح آسمان و زمین میں پھیل جائے اور کچھ کہیں نہ
دکھائی دے اور کوئی شخص اس کو سوائے تلوار اور شرابِ مرگ
کے جواب نہ دے اور اس کو مثل گوسفند کے سر کے پیچھے سے ذبح کرے
اور دشمن اس کا مال و اسباب لوٹ لیں اور اس کے اور اس کے
اصحاب کے سروں کو نیزے پر تمام شہروں میں مع اس کی عورتوں کے
پھرائیں اور ایسے ہی ابتدا سے خدائے واحد و منان کے علمِ مشیت میں
گذر چکا ہے۔

(ناسخ التواریخ بحوالہ الدر الثمین زیرِ تفسیر آیت فتلقے آدم من
ربہ کلمات ... بحوالہ واقعات کربلا کے اسباب روحانی
صد ۵۲ ، صد ۵۳)

حضرت آدم علیہ السلام کا حسینؑ مظلوم پر گریہ کرنا اور دل شگافتہ ہونا
اور امین وحی یعنی حضرت جبرئیلؑ کا ذاکرِ مجلس عزائے حسینؑ بننا اور معصوم نبی
جناب ابو البشر آدم صفی اللہ و خلیفۃ اللہ فی الارض علیہ السلام کا عزاداری کر
مجلس سننا ، ثابت کرتا ہے کہ عزاداری معصومین کی سنت ہے۔

ثبوت ۲:۔ ذکرِ شہادت حسینؑ، ذاکر جبرئیلؑ، عزادار حضرت نوحؑ اور کشتیٔ نوحؑ کا خون رونا

صحابیٔ رسول حضرت انس بن مالک سے مرفوعاً مروی ہے کہ سفینۂ نوحؑ کی

ساخت و صناعت کے دوران جب کشتی میں پانچویں کیل لگانے کا وقت
آیا تو یہ ہوا کہ "جب پانچویں کیل ٹھونکنے کی نوبت آئی اور حضرت
نوحؑ نے کیل رکھ کر ہتھوڑے سے ٹھونکا تو فوراً ایک نور پیدا ہوا
اور اس سے خون ٹپکنے لگا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا یہ خون ہے اور شہادتِ
حسینؑ کے واقعات اور اُمت کے ظلم و جفا کے سلوک تفصیل سے بیان
فرمائے۔"

(ناسخ التواریخ بحوالہ محمد نجار (تاریخ) منقول از واقعات کربلا کے
اسباب روحانی صد ۵۴)

جبرئیلؑ کا ذکرِ شہادتِ حسینؑ کرنا، نوحؑ کا عزادارین کے سننا اور
کشتی سے خون کا ٹپکنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ عزاداری سید الشہدا
علیہ السلام معصوم فرشتے، پاک رسول اور قلعۂ النجاۃ کے نزدیک جائز ہے۔

ثبوت ۳: ذکرِ شہادت حسینؑ کا، ذاکر خود خدا سوگوار ساری کائنات، عزادار خلیلِ خدا

(حضرت ابراہیمؑ کی عزاداری)

"اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔"
بیشک یہ امتحان روشن ہے اور ہم نے (اسمٰعیلؑ) کو ایک بڑی قربانی کے عوض بچا لیا۔

ہر ا بمطابق مشیتِ الٰہی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ کو یہ فرمایا تو حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے دریافت کیا کہ "بڑی قربانی" کیا ہے۔ جواب ملا "اے ابراہیمؑ تیرا فرزند (اسمٰعیلؑ) خاتم النبیینؐ کے نور کا حامل ہے۔ اس لئے ہم نے تیرا امتحان لے کر اسمٰعیلؑ کو بچا لیا۔ پھر خدا نے اپنے خلیلؑ کی نگاہوں سے حجاب دور کر کے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی آلِ اطہار علیہم الصلوٰۃ کا رتبہ جلیلہ مشاہدہ کروایا۔ (نُرِیٓ اِبْرَاهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ۔ یعنی اور ہم نے ابراہیم کو نظامِ آسمانی دکھلانے کے مناظر اُن کے پیشِ نظر فرمائے) تو ابراہیمؑ ان برگزیدہ ہستیوں کی یہ منزلت ملاحظہ کر کے بہت محظوظ ہوئے اور حضرت امام حسینؑ کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ جواب ملا کہ یہ اسمٰعیلؑ کے فرزند کا لختِ جگر یعنی دخترِ حضرت محمد مصطفےٰ کا فرزند حسینؑ ہے۔ اے ابراہیم! تم اپنی ذات کو زیادہ دوست رکھتے ہو یا محمد مصطفےٰؐ اور ان کے جگر پارہ امام حسینؑ کو۔ جناب ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ خداوندا میں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ذات سے زیادہ اور امام حسین علیہ السلام کو اپنے نورِ نظر اسمٰعیلؑ سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا۔ اے ابراہیم! اسمٰعیل کا فدیہ عظیمؑ یہی ہے اشقیائے اُمت اسی کو مع اس کے کمسن بچوں کے تین دن کا بھوکا پیاسا غربت اور بے کسی کی حالت میں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید کر دیں گے جس کو دیکھ کر شجر و حجر، آسمان و زمین، وحوش و طیور روئیں گے۔

جب خلیلِ خداؑ نے یہ واقعہ سُنا۔ شدّتِ تعلق سے آپ پر عالمِ گریہ طاری ہوا۔ اور سرِ رشک غم بدہائے مبارک سے جاری ہوئے۔ خطاب آیا کہ اے ابراہیم!

امام حسینؑ کی مصیبت کو سُن کر رونا اُسی کے ثواب کے برابر ہے جو اسمٰعیلؑ کی قربانی سے حاصل ہوتا۔"

{ماخوذ از دلیل عزا صفحہ ۹ رسالۃ البلاغ المبین باسناد مناہج الطالبین امام تقویٰ روضۃ الشہداء۔ تاریخ حبیب السیر اور معارج النبوۃ ملا معین لاہوری۔ حوادثِ روزگار ابوالحسنات محمد احمد قادری وزیر خاں مسجد لاہور}

پس روایت بالا کی روشنی میں ثابت ہوا کہ امام حسینؑ کی مصیبت کو سُن کر گریہ و بکا کرنا اتنے ثواب کا حامل ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو جناب اسمٰعیلؑ کی قربانی کرنے سے حاصل ہوتا۔ لہٰذا عزاداری امام حسین علیہ السلام نہ صرف ایک عبادت ہے بلکہ ملائکہ اور اولوالعزم پیغمبروںؑ کی سُنّت ہے۔ ملتِ ابراہیمیؑ کے داعی پر لازم ہے کہ اسوۂ خلیلؑ کی مخالفت نہ کرے اور تسلیم کرے کہ عزاداری شبیرؑ منشا ایزدی کے مطابق باعثِ ثواب بے حساب ہے۔

ثبوت نمبر ۲ غمِ حسینؑ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خون بہنا

موسیٰ علیہ السلام کا بہمراہ حضرت یوشعؑ بن نون زمین کربلا میں گذر ہوا۔ اتفاقاً آپ کی نعلین پھٹ گئی۔ اور اس کا تسمہ بھی ٹوٹ گیا (اس وجہ سے) آپ کے پاؤں میں ایک سخت کانٹا گڑا اور خون نکل پڑا۔ آپ نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی پروردگار میں نے کیا خطا کی جس کی یہ سزا ملی؟ وحی آئی۔ اے موسیٰ یہ وہی مقام ہے جہاں حسینؑ قتل کئے جائیں گے۔ اور اسی مقام پر ان کا خون گرایا جائے گا۔ پس اس وقت تمہارا خون بھی اُنہیں کے خون کی موافقت

میں بہا ہے۔ موسیٰؑ نے عرض کی حسینؑ کون؟ ندا آئی حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے اور علی مرتضیٰؑ کے فرزند۔"

(ناسخ التواریخ بحوالہ واقعاتِ کربلا کے روحانی اسباب صفحہ ۵۹)

پس روایت منقولہ بالا سے ثابت ہوا کہ امام حسین علیہ السلام کی موافقت میں خون کا بہہ جانا مشیتِ ایزدی کے موافق ہے۔

ثبوت نمبر ۵، شہادتِ امام حسینؑ پر خاتم المرسلین محمد مصطفیٰؐ کی عزاداری

مشکوٰۃ شریف میں حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباسؓ سے، صاحب المعجم بغوی نے انس بن مالک سے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں حضرت علیؑ سے، ترمذی نے اپنی صحیح میں، امام احمد بن حنبل نے مسند میں۔ امام بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس سے، حافظ ابو نعیم و اسحاق ابنِ راہویہ اور ام المومنین حضرت اُم سلمہ سے دیلمی نے معاذ ابن جبل سے، ابنِ سعد نے طبقات میں حضرت عائشہ سے، طبرانی نے حضرت ام المسلمین زینب بنت جحش سے۔ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے سرالشہادتین میں اور لاتعداد مستند و معتبر کتب میں نامور علماء نے متواتر احادیث رسولؐ سے واقعۂ کربلا کی پیشین گوئیاں نقل کی ہیں۔ جن میں صریحاً تحریر ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے قبل از شہادت امام حسینؑ واقعاتِ شہادت بیان کر کے خود گریہ و بکا فرمایا اور سننے والوں کو رلایا۔ یعنی اسلام میں

مجالس عزائے حسین علیہ السلام کی بنیاد خود اپنے دستِ مبارک سے رکھی۔ اور امام حسینؑ کے سوگواروں کو جنت کی بشارت دی۔ لیکن اس مقام پر ہم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزاداری کا ثبوت بعد از شہادت امام حسینؑ صحاح ستہ میں کی ایک صحیح سے پیش کر کے عزاداری کو رسولؐ کی فعلی سنت ثابت کریں گے۔ تاکہ حجت کامل ہو۔ چنانچہ صحیح ترمذی میں ہے کہ:۔

"ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسولِ خداؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ روتے ہیں اور آپ کے سرِ اقدس اور ریش مبارک پر خاک پڑی ہے۔ تو میں نے دریافت کیا۔ جواب دیا کہ ابھی حسینؑ قتل ہوا ہے۔ اور ایسا ہی خواب ابن عباسؓ نے دوپہر کے وقت دیکھا کہ آپؐ غبار آلودہ ہیں۔ اور آپؐ کے ہاتھ میں ایک شیشہ ہے۔ جس میں خون بھرا ہے۔ فرمایا آج میں دن بھر اسی کے پیچھے رہا۔ (یعنی دن بھر جمع کرتا رہا) پس لوگوں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہی اسی دن امام حسینؑ قتل ہوئے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ کربلا میں جو ملک عراق کی زمین کوفہ کے پاس ہے اور وہ مقام طف کے نام سے مشہور ہے امام حسینؑ کو سنان بن انس نخعی نے قتل کیا اور بعضوں نے اس شخص کے علاوہ اور دوسروں کو بھی بتلایا ہے۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ محرم کی دسویں تاریخ سنہ ۶۱ھ آپ کا سن چھپن برس کا تھا۔ جب آپ کو قتل کر چکے تو سر آپؐ کا یزیدؔ کے پاس بھیجا گیا۔ جب منزل پر اترے تو شراب خواری میں مصروف ہو گئے۔ اس اثنا میں ان کے سامنے دیوار سے ایک ہاتھ نکلا جس میں قلم تھا جس نے خون سے ایک سطر لکھ دی وہ یہ شعر تھا

"جن لوگوں نے حسینؑ کو قتل کیا۔ کیا وہ ان کے ناناؐ کی شفاعت کی امید کرتے ہیں؟"

ثبوت ۶:۔ محبتِ حسینؑ میں اشکِ عزا بہانا تو کجا رسولؐ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر دیا

مُلّا جامی نے "شواہد النبوۃ" میں سید اشرف جہانگیر نے "لطائف اشرفی" میں صاحب "سعادت الکونین فی فضائل الحسنین" نے اپنی کتاب میں معتبر اسناد سے تحریر کیا ہے کہ مشہور ہے کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے ایک زانو پر اپنے نور العین حسینؑ اور دوسرے زانو پر اپنے فرزند ابراہیمؑ کو بٹھائے تھے۔ ناگاہ حضرت جبرئیلؑ نے پیغام پہنچایا کہ یہ دونوں آپؐ کے پاس نہیں رہ سکتے ان میں سے (کسی) ایک کو اختیار کیجیے۔ نہایت افسوس کی جگہ اور غور کرنے کا مقام ہے کہ دو پیاروں میں اس قسم کا فیصلہ کس کا قلب کر سکتا ہے۔ ایک بیٹا، دوسرا بیٹی کا بیٹا۔ لیکن واہ رے حسینؑ کی محبت۔ جس پر دل نے کسی طرح ابراہیمؑ کو حسینؑ پر ترجیح نہ دی اور حسینؑ ہی کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ اس واقعہ کے تین روز بعد حضرت ابراہیمؑ نے انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی نظر امام حسینؑ پر پڑتی تھی تو آپ جوش کے ساتھ فرماتے تھے۔ اھلا و مرحبا بمن فدیتہ بابنی مبارک اور خوشگوار ہو۔ اے میرے وہ پیارے جس پر میں نے اپنے بیٹے کو قربان کر دیا۔"

(رسالہ البلاالمبین ص۱۲)

پس محبتِ حسینؑ میں رسول الثقلینؐ کا اپنے فرزند دلبند کو قربان کر دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ حسینؑ کی محبت میں کسی بھی قربانی سے دریغ

نہ کیا جائے جبکہ عزاداری اس ایثار سے بہت ہی کمترین درجہ رکھتی ہے۔

ثبوت ۷:۔ غمِ حسینؑ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اور روح اللہ جناب عیسٰی علیہ السلام کی سوگواری

صفین کے سفر کے دوران جب حضرت علی علیہ السلام مع اپنے لشکر کے کوفے کا پل پار کر کے مسجد ابو سبرہ میں داخل ہوئے تو وہاں نماز ادا کی اور تسبیح پڑھی۔ پھر سرزمین بابل پر پہنچے تو اپنے لشکر کو وہاں سے تیزی سے گذر جانے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہاں ایسا واقعہ پیش آئے گا جس میں بہت سے زندہ آدمی زمین میں دھنس جائیں گے۔ یہ سُن کر اہل لشکر نے بڑی عجلت میں یہ سفر کیا۔ جب آپؑ کربلا کے مقام پر پہنچے تو دریائے فرات کے کنارے جہاں چند کھجوروں کے درخت تھے تشریف لے گئے۔ اور عبد اللہ ابن عباسؓ سے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سی جگہ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس مقام کو نہیں جانتے ہیں۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا۔ اے عبد اللہ! اگر تم کو معلوم ہو جائے یہ کون سی اور کیسی سرزمین ہے تو تم بے اختیار زار زار رو دو۔ پھر ارشاد فرما کر خود حضرت علیؑ اتنا روئے کہ محاسن مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اور فرمایا افسوس ہے میرے ساتھ آل ابوسفیان نے کیسی عداوت اختیار کی ہے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کو طلب فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اے فرزند صبر اختیار کرو۔ اور دیکھو آج کے دن ابوسفیان کی آل سے کیا دُکھ اٹھا رہا ہوں۔ کل تمہیں بھی ان ظالموں کے ظلم برداشت کرنا ہوں گے۔ اس گفتگو کے بعد امیر المومنینؑ

نے وضو کیا اور چند رکعات نماز پڑھ کر ایک ساعت کے لئے سو گئے۔ جب بیدار ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو طلب کیا اور فرمایا اے ابن عباس! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے کہ ایک نورانی چہرہ گروہِ مرداں نازل ہوا ہے جس میں تمام حضرات تلواریں حمائل کئے ہیں۔ اور سفید علمؑ ہاتھوں میں لئے ہیں۔ انہوں نے اس سرزمین کے ارد گرد ایک لکیر کھینچی اس وقت ان کھجوروں کے درختوں کی یہ حالت تھی کہ اپنی شاخیں زمین پر ٹیک رہے تھے۔ تازہ خون کی نہر جاری تھی۔ حسینؑ فریاد کر رہا ہے۔ لیکن کوئی اس کا فریاد رس نہیں ہوتا۔ اور وہ سفید چہروں والے لوگ ندا کر رہے ہیں کہ اے آلِ رسولؐ صبر کرو۔ اور جان لو کہ تم بد ترین مخلوق کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہو۔ اے حسینؑ! تم کو بشارت ہو کہ بہشت تمہارے قدم کی مشتاق ہے۔ پھر وہ لوگ میرے پاس آئے اور رسمِ تعزیت بجا لائے۔ یہاں تک کہ خواب دیکھ کر میں بیدار ہو گیا۔ اے عبداللہ ابن عباسؓ خداوند کریم کی قسم رسولِ خداؐ نے مجھے مطلع فرمایا تھا کہ میں ہنگامِ سفر میں کربلا پر یہ خواب دیکھوں گا۔ اے ابن عباسؓ یہ وہی زمین ہے جس میں حسینؑ اور ایک جماعت فرزندانِ فاطمہؑ بنت رسولؐ کی مدفون ہو گی۔ اہلِ آسمان بھی اس بقعہ کو کربلا کہتے ہیں۔ بعد ازاں حضرت مرتضیٰؑ نے فرمایا کہ اے عبداللہ! اس سرزمین میں اس جگہ کو تلاش کرو جہاں ہرن شب گذاری کرتے ہیں اور آرام لیتے ہیں۔ عبداللہ گئے اور وہ مقام معلوم کر کے آئے۔ چنانچہ حضرت امیرؑ نے فرمایا اللہ اکبر صدق رسول اللہ۔ پھر آپؑ اس مقام پر تشریف لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر ایک مٹھی ہرنوں کی مینگنیوں کی کہ جن کا رنگ زعفرانی تھا

اور جن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اُٹھا کر سونگھی اور فرمایا بے شک اللہ کے رسولؐ نے ایسا ہی پتہ دیا تھا۔ اے عبداللہ! مجھے آنحضرتؐ نے خبر دی ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ کا گذر اس سرزمین پر ہوا۔ اور میری طرح پشک آہواں (ہرنوں کی مینگنیاں) دیکھ کر انہوں نے بھی سونگھا تھا۔ اس وقت تمام ہرن ان کے سامنے کھڑے تھے۔ اور جناب عیسیٰؑ روتے تھے۔ حواریوں نے موجبِ گریہ دریافت کیا۔ تو جناب مسیحؑ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سرزمین وہ ہے جس میں فرزندِ محمد مصطفیٰؐ کو قتل کر دیا جائے گا۔ وہ مظلوم مقتول پیغمبرؐ آخری کی دختر نیک اختر کا لختِ جگر ہے۔ پس مسیحؑ نے مینگنیاں اٹھا کر سونگھیں اور حواریوں سے فرمایا کہ یہ اس لئے خوشبودار ہیں کہ اللہ تعالےٰ ایک دن فرزندِ محمد مصطفیٰؐ کو اس جگہ لائے گا۔ وہ ان کی خوشبو سے تسلی پائے گا۔

اے عبداللہ! یہ وہی پشک ہیں جو اس وقت میرے ہاتھ میں ہیں۔ جن کو عیسیٰؑ نے اپنے ہاتھ میں اُٹھایا تھا۔ جب جناب امیرؑ یہ فرما چکے تو بہت گریہ کیا۔ اور فرمایا اے پروردگارِ عیسیٰؑ میرے بیٹے کے قاتلوں کی عمر سے برکت کو سلب فرما اور ان کو ہمیشہ کے لئے ملعون کر۔ پھر آپ اس قدر روئے کہ حالتِ غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش ہوا تو آٹھ رکعت نماز پڑھی اور بار بار مینگنیوں کو سونگھتے تھے اور اپنے فرزندِ رشید حسینؑ کو تسلی دیتے تھے۔

(ماخوذ از بلاء المبین بحوالہ تاریخ روضۃ الاحباب حبیب السیرؒ اور فتوحات اعثم کوفی)

اس واقعہ سے مندرجہ ذیل امورِ عزاداری ثابت ہوئے :۔

(ا) زیارتِ روضۂ مبارک سید الشہداء علیہ السلام کا استحباب اور
شیوۂ انبیاؑ و مرسلین و آئمہؑ۔
(ب) جلوس کی شکل میں عَلَم ہاتھ میں لے کر امام بارگاہ میں آنا۔
(ج) حسینؑ سے منسوب نشانیوں کا احترام کرنا اور ان کی زیارت کرنا
خواہ وہ ہرنوں کی مینگنیاں ہی کیوں نہ ہوں۔
(د) غمِ حسینؑ میں گریہ زاری کرنا اور اُن کے موذیوں کے لئے لعنت کی
بددعا دینا۔
(ہ) صدیاں بیت جانے کے بعد بھی واقعہ کربلا کی یادگار کو قائم رکھنا جب کہ
مسیحؑ نے کئی صدیاں قبل زمینِ کربلا پر مقام قتل گاہ کی زیارت کی۔
اور حضرت علی علیہ السلام نے خصوصاً ابنِ عباسؓ کو جائے خاص کے
تلاش کرنے کا حکم دیا۔
(و) کھجور کے درختوں کی شاخوں کا نیچے ٹیک کر ماتم کرنا اور زمین پر
سر مارنا۔
(ز) نہر کے پانی کا خون بن جانا اور پھر جاری رہنا۔

ثبوت ۸:۔ سبطِ اکبر امام حسن علیہ السلام اور مصائبِ حسینؑ پر تمام مخلوقات کی عزاداری

شہادتِ امام حسنؑ کے موقع پر امام حسینؑ رونے لگے۔ امام حسنؑ نے
اپنے برادر کو تسلی دی اور فرمایا کہ اے جانِ برادر تم مجھ پر کیے رو گے صرف
اس ظلم کے صدمہ میں روتے ہو کہ مجھے پوشیدہ طور پر زہر دے کر قتل کیا گیا۔

مگر میرا الیوم مصیبت تمہارے یومِ مصیبت جیسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اے ابو عبداللہ
تم پر تیس ہزار شقی لوگ ایسے چڑھ آئیں گے جو خود کو ہمارے نانا کی اُمت کہلواتے
ہوں گے۔ اور اپنا دین اسلام بتائیں گے۔ وہ سب اکٹھے ہو کر تمہیں قتل کریں گے
تمہارا خون بہائیں گے اور تمہاری حُرمت کو غارت کریں گے۔ تمہارے بچوں اور
عورتوں کو قید کریں گے۔ اور تمہارے مال و اسباب کو لُوٹ لیں گے۔ اس وقت
بنی امیہ پر لعنت حلال ہو جائے گی اور آسمان سے گرد و خون برسے گا۔
اور دنیا کی تمام مخلوقات تم پر مل کر روئے گی۔ یہاں تک کہ جنگل کے تمام
جانور اور دریا کی تمام مچھلیاں تم پر آنسو بہائیں گی۔"
(ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۳۶ بحوالہ واقعاتِ کربلا کے روحانی اسباب
صفحہ ۶۷-۶۶)

ثبوت ۹:۔ عزادارِ حسینؑ سے امام حسین علیہ السلام کا وعدۂ جنّت

مُلّا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ میں بروایت مسند احمد بن حنبل
اسناد و مستند تحریر کرتے ہیں کہ:۔
"امام حسینؑ نے فرمایا کہ جس شخص کی آنکھیں ہمارے غم میں اشکبار رہیں
یا جو شخص ہماری مصیبت کو یاد کر کے ایک قطرہ آنسو کا بہائے خدا اس کو
جنت عطا کرے گا۔
(مرقاۃ شرحِ مشکوٰۃ بحوالہ تاریخ احمدی صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ کانپور)
پس ثابت ہوا کہ غمِ حسینؑ میں گرایا ہوا ایک آنسو جنّت کی ضمانت ہے۔

ثبوت نمبر۱۰۔ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے ارشادات کہ مومن عزادار قیامت کے دن کی سختی اور دوزخ کی عقوبت سے محفوظ ہو گا۔

تفسیر علی ابن ابراہیم میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا میرے والد بزرگوار حضرت علی ابن الحسین علیہما السلام نے ارشاد فرمایا ہے جس مومن کی آنکھیں امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ہمراہیوں کی شہادت پر روئیں گی اور اس کے آنسو اس کے رخسار پر بہیں گے۔ خدا اس کے لئے جنّت میں ایک غُرفہ عطا فرمائے گا۔ اور جو کوئی اپنی آنکھوں کو اشکبار کرے گا یہاں تک کہ اس کے آنسو بہہ کر اس کے گالوں پر آجائیں ہماری مصیبتوں کو یاد کر کے جو دشمنوں کے ہاتھوں سے ہم کو پہنچی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی مصیبتوں کو دُور کر دے گا اور قیامت کے دن وہ قیامت کی سختی اور دوزخ کی عقوبت سے مامون و محفوظ رہے گا۔

(ینابیع المودۃ فی القربیٰ از سلیمان بلخی صفحہ ۳۹۸ بحوالہ واقعاتِ کربلا کی یاد صفحہ ۳۹۴)

ثبوت نمبر۱۱۔ ذکرِ مصائبِ اہلبیتؑ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے امام جعفر صادقؑ کا فرمان

کتاب مذکورہ بالا ہی میں ہے کہ :- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو

شخص ہماری مصیبتوں کا ذکر کرے گا یا اُن مصائب کا ذکر کرائیگا۔ ان کو سُن کر اگر وہ اپنی آنکھوں سے ایک مچھر کے پر کے برابر بھی آنسو گرائیگا تو خداوند عالم اس کے گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ سمندر کے جھاگ جتنے کیوں نہ ہوں۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

پس بمطابق فرمانِ صادق آل محمدؐ مجلس عزا کا اہتمام اور اُس میں رونا اور رلانا گناہوں کو بخشوانے کا ذریعہ ہے۔

ثبوت نمبر۱۲۔ "ماتم میں شرکت حقوق النّاس میں سے ہے"۔ امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشاد

کلینیؒ نے "فروعِ کافی" میں عبداللہ کاہلی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ نے امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا کہ میری زوجہ اور ابنِ مارد کی اہلیہ ماتم میں شرکت کے لیے جاتی ہیں۔ جب میں ان دونوں کو (اس عام ماتم داری سے) منع کرتا ہوں تو میری بیوی مجھ سے کہتی ہے کہ اگر ماتم حرام ہے تو ہم کو اس سے منع کرو ہم رک جائیں۔ اور اگر یہ حرام ہی نہیں تو ہم کو کیوں روکتے ہو؟ جب ہمارا کوئی مرے گا تو ہمارے پاس (تعزیت کے لئے) کوئی نہیں آئے گا۔ امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا کہ تم مجھ سے حقوق النّاس کے متعلق سوال کر رہے ہو۔ میرے والد (امام جعفر صادقؑ) میری والدہ اور ام فروہ کو ماتم میں شرکت کے لئے بھیجتے تھے تاکہ وہ اہلِ مدینہ کے حقوق ادا کریں۔ (یعنی راوی کو منع کرنا صحیح نہیں ہے)

امام برحق نہ ہی خود حرام فعل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی اجازت دیتے ہیں۔ اگر ماتم حرام ہوتا تو امام صادقؑ نہ ہی اپنی زوجہ کو اس میں شرکت کی

اجازت دیتے اور نہ اُم فروہ کو۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر محلہ و قصبہ میں کوئی موت ہو جائے تو متوفی کے لواحقین کا اہلِ محلہ و قریہ پر حق ہے کہ اہلِ شہر ان کو جا کر پرسہ دیں۔

اسی حق کی روشنی میں اہلبیتِ نبیؐ کا بھوکا اور پیاسا ذبح ہو جانا اور بھرے گھر کا چند گھڑیوں میں اُجڑ جانا مقتضی ہے کہ رسولِ اکرمؐ کو پرسہ دیا جائے۔ علیؑ و فاطمہؑ اور سادات عظام سے اظہارِ تعزیت کیا جائے۔

ثبوت ۱۳:۔ امام حسینؑ کے لئے ماتم کی عام اجازت اور معصومؑ کا حکم

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں نے امام حسینؑ کے مصائب پر اپنے منہ بھی پیٹے اور گریبان چاک بھی کئے۔ پس حسینِؑ مظلوم کے لئے منہ پیٹے جائیں اور گریبان پھاڑے جائیں۔ (جواہر الکلام جلد ۴ صفحہ ۳۷)

امام معصومؑ کے اس حکم کے بعد ماتم کے جائز ہونے میں کسی ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

ثبوت ۱۴:۔ گریہ اور خدا کا محکم حکم

قرآن مجید میں ہے کہ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۔ (پ ۱۰ سورۃ التوبہ آیت ۸۲)

یعنی بہت تھوڑا ہنسو اور بہت زیادہ گریہ و بکا کرو اپنے کئے کی جزا میں۔

اگر رونا دھونا مستحسن نہ ہوتا تو اس کی کثرتِ عمل کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا۔ اور کوئی بھی منصف مزاج اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ تمام مقربان و مخلصانِ بارگاہِ الٰہی نے اس فعلِ مستحسن کو اپنا معیارِ عمل بنایا۔ انبیاء و مرسلین سلام اللہ علیہم اجمعین اس عمل میں سب سے اوّل و اکمل ثابت ہوتے ہیں اور فطرتِ صالحہ اور خلقتِ کاملہ کے اعتبار سے اِن ہادیوں کے تمام اعمال ہمارے لئے بہترین دستور العمل ہیں۔ پس رونے کی مخالفت کرنا اللہ اور رسولوں کی مخالفت کرنا ہے۔

ثبوت ۱۵:۔ شہادتِ حسینؑ پر ہاتف غیبی کی مرثیہ خوانی اور جنات کی نوحہ خوانی

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے سرّ الشہادتینؒ میں لکھا ہے کہ "وهتف الهواتف بالمراثي ونوح الجن وبكائهم۔" (سر الشہادتین صفحہ ۱۳)

اور ہاتف غیبی نے مرثیہ خوانی کی اور جنات نے نوحہ کیا اور گریہ زاری کی (شہادت حسینؑ پر)

ثبوت ۱۶:۔ غمناک قدرتی آثار کے ذریعے عزاداری بیادِ شہادتِ حسینؑ کو دائمی طور پر جاری رکھنا مقصود ہے۔

"اسی طرح کے دوسرے اسبابِ شہرتِ سانحہ کربلا بھی ہیں اور یہ سب کچھ اس

لئے تھا کہ جو لوگ (اس وقت) موجود تھے اور جو لوگ موجود نہ تھے۔ اس شہادتِ عظمیٰ سے واقف ہو جائیں۔ اور یہ اس لئے بھی تھا کہ (حسینؑ پر) گریہ زاری باقی رکھی جائے۔ اور غم و الم ہمیشہ رہ جائے اور اُن دردناک مصائب کا اُمتِ محمدیؐ میں روزِ قیامت تک تذکرہ ہوتا ہے پس یہ شہادتِ عظمیٰ شہرت کی انتہا کو پہنچ گئی۔ عالمِ بالا (سماوات) میں عالمِ زیریں (زمین) میں۔ عالمِ غیب میں اور عالمِ حضوری میں جنات میں اور انسانوں میں۔ زبان والوں میں اور بے زبانوں میں۔"

(سر الشہادتین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص۱۲)

پس شاہ عبدالعزیز محدث کے منقولہ بالا تمہیدی بیان سے ثابت ہوا کہ شہادتِ حسینؑ کی یادگار کو قیامت تک قائم رکھنا مصائبِ سیدالشہداؑ کا ذکر جاری رکھنا اور عزاداری کو باقی رکھنا اُمتِ محمدیہ کے لئے ضروری ہے پس ایسے عظیم المرتبہ واقعہ کی یاد منانا باعثِ ثواب و نجات ہے۔

ثبوت ۱۷:۔ ابوالبشر حضرت آدمؑ کا جناب ہابیلؑ کیلئے مرثیہ لکھنا اور اپنی آئندہ نسل میں اس کا ذکر جاری کرنے کی وصیت فرمانا

"جب قابیل نے ہابیلؑ کو مار ڈالا تو آدمؑ کو گریہ ہوا۔ اور انہوں نے سریانی زبان میں نثر کے طرز پر بیٹے کا مرثیہ لکھا۔ اور شیثؑ کو وصیت کی کہ اس کلام کو یاد کر لو۔ اور لوگوں کو سناؤ تاکہ آئندہ نسلوں میں اس کا ذکر قائم رہ جائے اور لوگ اس کو سن کر رویا کریں۔"

(روضۃ الاحباب جلد اول ص۲۳ فارسی مطبوعہ لکھنؤ)

پس اولاد کے لئے والدین کی وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔ للہذا بنی آدم کو چاہیئے کہ آدمؑ کی سنت پر عمل کرے۔ گریہ زاری اور مرثیہ خوانی کی مخالفت نہ کرے۔

ثبوت ۱۸:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بی بی سارہؑ کیلئے ماتم کرنا

"اور سارہ کی عمر ایک سو ستائیس برس کی ہوئی۔ سارہ کی زندگی کے اتنے ہی سال تھے۔ اور سارہ نے قریت اربع میں وفات پائی۔ یہ کنعان میں ہے جبرون بھی کہلاتا ہے۔ اور ابراہام سارہ کے لئے ماتم اور نوحہ کرنے کو وہاں گیا۔"

(کتاب مقدس۔ پیدائش باب ۲۳ آیت ۱ تا ۲ پرانا عہد نامہ)

اگر ماتم و نوحہ حرام ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہرگز ایسا نہ کرتے اور کرتے تو خدا اُن کو روک دیتا۔

ثبوت ۱۹:۔ توریت میں "ماتم" اور "نوحہ خوانی" کا خدائی حکم

"اے میری بنتِ قوم ٹاٹ اوڑھ اور راکھ میں لیٹ۔ اپنے اکلوتوں پر ماتم اور دلخراش نوحہ کر کیونکہ غارتگر ہم پر اچانک آئے گا۔"

(کتاب مقدس۔ کتاب یرمیاہ۔ باب ۶ آیت ۲۶)

ثبوت ۲۰:۔ الہامی نوحہ

اگر نوحہ خوانی حرام ہوتی تو خدا اپنے نبی یرمیاہؑ پر نازل کردہ صحیفہ کا نام "نوحہ" ہرگز نہ رکھتا۔ (دیکھیے عہد نامہ قدیم میں کتاب نمبر ۲۵ "نوحہ" جس میں حضرت یرمیاہ کا نوحہ مرقوم ہے۔)

ثبوت ۲۱۔ مغموم اور ماتمیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم تو روؤ گے اور ماتم کرو گے مگر دنیا خوش ہو گی۔ تم غمگین تو ہو گے مگر تمہارا غم ہی خوشی بن جائے گا۔"

(نیا عہد نامہ، کتاب (انجیل) یوحنا باب ۱۶ آیت ۲۰)

پس اگر غم منانا اور ماتم کرنا مذموم ہوتا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام مغموم و ماتمیوں کو خوشی کی خوشخبری نہ دیتے۔

ثبوت ۲۲۔ رونے والے مبارک ہیں!

"مبارک ہو تم جو اب روتے ہو کیونکہ ہنسو گے۔" یسوع مسیحؑ

(عہد نامہ جدید انجیل لوقا آیت ۲۲ باب ۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا تم جو اب روتے ہو تو پھر ہنسو گے۔ اگر رونا مذموم ہوتا تو آپؑ اس کی مذمت فرماتے۔!

ثبوت ۲۳۔ واویلا کا جواز

واویلا کرنے کے جواز میں بعض مقامات میں کوئی شک و شبہ نہیں، کتاب اللہ میں بھی یا ویلتا موجود ہے۔

یہ امر لابدی اور ضروری واجب التسلیم ہے کہ ہر قسم کا نوحہ حرام نہیں۔ بعض مراتب نوحہ جائز ہیں۔

(فیض الباری شرح صحیح بخاری صفحہ ۴۶۲ جلد ۲ مطبوعہ مصر)

ثبوت ۲۴۔ بوقت مصیبت عزاداری صبر کے منافی نہیں

حافظ ابن حجر (عسقلانی) کہتے ہیں کہ اس (گریہ وبکا) میں خدا نے اپنی رحمت ودیعت فرمائی ہے۔ اور یہ امر راضی برضائے الٰہی ہونے کا منافی نہیں ہے اور اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اظہار حزن و ملال کرتا ہے۔ اور اس عمل سے تا وقتیکہ اس کا قلب مصیبت میں مطمئن رہے۔ دائرہ راضین و مرضیین سے خارج نہیں ہوتا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت بے قابو اور بے تاب نہیں ہوتا اور اپنے دل و درد مند کا علاج صبر و سکوت سے کرتا ہے اس کا مرتبہ اس شخص سے بلند ہے جو مصیبت کے وقت بے تاب اور بے قابو ہوتا ہے۔

علامہ زرقانی کی مفصل بحث کا یہ اقتباس ہم نے "واقعات کربلا کی یادگار" کے صفحہ ۹۰ سے نقل کیا ہے۔ اسی طرح کا اشارہ علامہ طبری کی بحث میں بھی ہے۔ اب ہم اس کی روشنی میں یہ ثبوت وضع کرتے ہیں کہ گریہ وبکا صبر کے منافی نہیں ہے۔

ثبوت ۲۵۔ حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت پر رسولِ اکرمؐ کی گریہ زاری

حضرت جعفرؓ (طیار) کی خبر (شہادت) پر آنحضرتؐ کے گریہ اور حزن و ملال کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص صرف مصیبت میں گریہ وبکا کرنے کی وجہ سے صابروں اور راہ الٰہی کے رضامندوں کے دائرے سے باہر نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ اس کا قلب مطمئن ہے کیونکہ مصیبت میں یہ حالت (گریہ وبکا) اُن رحمت و رقت کے آثار میں سے ایک فرخاص کی کیفیت ہے جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہر بندۂ مومن کے دل میں ودیعت فرمائی گئی ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ

جس شخص پر مصیبت پڑے اور وہ اپنے درد دل کا علاج صبر و رضا سے کرے تو اس کا مرتبہ اس شخص سے جو مصیبت میں درد مند نہیں ہوتا اور رقتِ قلب سے آنسو نہیں بہاتا بلند ہوگا کیونکہ مصیبت میں درد مند نہ ہونا اور آہ و زاری نہ کرنا قساوت قلبی کی نشانی ہے۔

(روضۃ الاحباب محدث شیرازی حافظ جمال الدین افغانی بحوالہ واقعات کربلا کی یادگار صا۹)

اب اگر اسی اصولِ عمل کی مقابلت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے واقعات شہادت اور حزن و ملال اور گریہ و بکا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم معصوم ہیں۔ آپ مصطفےٰ پیغمبر ہیں۔ اس بنا پر آپ نے بکمال استقلال اپنے عم زاد برادر کے واقعہ شہادت پر راضی برضائے الٰہی رہ کر صبر و سکوت فرمایا لیکن رقتِ قلب اور رحمدلی کے تقاضہ سے جو عین ودیعت الٰہی بتلائی گئی ہے اشک روانی فرمائی مگر حضرت جعفرؑ کے عیال تو غیر معصوم تھے۔ چنانچہ عام فطرتِ انسانی کے مطابق انہوں نے آپؑ کی مفارقت میں جزع و فزع کی۔ لہٰذا بقولِ علمائے اہل سنۃ طبری، ابن حجر، زرقانی، قسطلانی اور محدث شیرازی وہ قساوت قلبی شمار ہوگی۔

علیٰ ہذا القیاس ثابت ہوا کہ وقتِ مصیبت عزاداری صبر کے خلاف نہیں بلکہ رحمت و رقت کے آثار میں سے ایک اثر خاص کی کیفیت ہے۔

ثبوت ۲۶:۔ حضرت عائشہ کی حضرت ابوبکر پر نوحہ خوانی

اُم المسلمین حضرت عائشہ نے حضرت ابوبکر کی وفات پر نوحہ برپا کیا اور نوحہ خوان بلائیں۔ (تاریخ کامل ص۲۸۸ جلد ۲، عقد الفرید ص۹۶ ج ۳)

اگر نوحہ خوانی حرام ہوتی تو زوجۂ رسولؐ اس کا ارتکاب کیوں کرتیں؟

ثبوت ۲۷:۔ بیت اللہ شبیہ بیت المعمور ہے

تحقیق اللہ نے اپنے عرش کے نیچے بیت المعمور کو بنایا۔ پس حکم ہوا کہ اس کا طواف بھی اس طرح کیا جائے جیسا کہ بیت المعمور کا اہلِ آسمان کرتے ہیں۔ (تفسیر جمل حاشیہ جلالین جلد اول ص۲۹)

خانہ کعبہ کو بیت المعمور سے تشبیہ کر کے خدا نے خود مکانِ مقدس کی شبیہ بنانے کی منظوری دی۔ پس ضریح و تعزیہ جو کہ روضہ مبارک کی شبیہیں ہیں۔ اُن کے بنانے کے جواز کا ثبوت پیدا ہوا۔

ثبوت ۲۸:۔ شبیہ و تعزیہ بنانے کی اجازت

اہل سنت کی مشہور تفسیر میں امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ بیت المعمور کی شبیہ ہے۔ اور بیت المعمور تحت العرش ہے۔ ثابت ہوا کہ مقاماتِ مقدسہ کی تشبیہ بنانے کا سلسلہ دراصل عرش سے شروع ہوا۔ مگر اس لامکان غیر محدود خالق نے اپنی ذات کے مظاہر بنانے سے تو منع کیا کیونکہ[1] مظہرِ کامل بننا محال ہے۔ لہٰذا مطلق کو مقید نہ کرو نہ معقول کو محسوسات میں لاؤ۔ عبادت حق مرتبہ الوہیت بناتا ہے۔ مظاہر جزئیہ کا حق نہیں جیسا کہ کلیت حق انسان مطلق ہے۔ اس کے جزئی افراد کا حق نہیں۔ وسعت اور دائمی روانی بحر مطلق کا حق ہے۔ اس کی امواج کا حق نہیں۔ لہٰذا بت سازی منع ہوئی۔ کیونکہ وہ خدا کے مظہر سمجھے جانے لگے تھے۔ چونکہ انسان بھی خدا کا مظہر تھا ہے۔ اس کی تمثالی بھی بت پرستی تھی لہٰذا وہ بھی منع ہوئی۔

---

[1] لیکن اس نے خود اپنے مظاہر بنائے جیسا کہ مظہر العجائب سرکار امیر علیہ السلام ہیں۔

اب چونکہ مکان کی شبیہ میں یہ شائبہ نہیں کیونکہ مکان کو کوئی مکین نہیں سمجھتا۔ بلکہ مکان ایک نشان ہے جس کو دیکھ کر مالک مکان یاد آتا ہے۔ لہٰذا تحت العرش کی شبیہ بیت المعمور بنی اور زمین پر بیت المعمور کی شبیہ بیت اللہ بنا۔ پھر یونہی مسجد حرام اور اس مسجد کی شبیہیں قریہ بقریہ اور بستی بستی بنی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کسی مکان کی شبیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن مکین کی شبیہ نہ ہو۔ پس تعزیے جو کہ روضہ امام حسینؑ کی شبیہیں ہیں بنانے میں نہ کوئی حرج ہے اور نہ گناہ بلکہ مقامِ مقدس کی نقل بنا کر اس کا احترام کرنا جائز و مباح ہے۔

ثبوت ۲۹:۔ معصوم کی ماتم کیلئے وصیت

مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے ماتم کے لئے آٹھ سو درہم کی وصیت فرمائی۔ (فروع کافی بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۳۹)

اگر ماتم حرام ہوتا تو امام معصوم اس کے لئے ہرگز وصیت نہ فرماتے۔

ثبوت ۳۰:۔ امام برحق کی "ندبہ" کیلئے وصیت

روایت ہے کہ حضرت باقر العلوم سیدنا امام محمد باقرؑ نے وصیت کی تھی کہ ان پر دس برس تک ندبہ کیا جائے۔ (وسائل الشیعہ بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۳۹)

اگر ندبہ نا جائز ہوتا تو امام اپنے لئے ایسی وصیت کبھی نہ فرماتے۔

ثبوت ۳۱:۔ اہلِ ماتم کو نذر و نیاز کھلانا جائز ہے

امام محمد باقر علیہ السلام سے اہلِ ماتم کو طعام دینے کے متعلق دریافت کیا گیا۔

ارشاد فرمایا (یہ جائز ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جناب جعفر بن ابی طالب کی شہادت پر ان کے اہل و عیال جو کہ ماتم میں مصروف تھے کو کھانا بھیجنے کا حکم دیا۔ اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بھی ان مستورات کے لئے طعام کا بندوبست کرتے تھے۔ جو ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔

(وسائل الشیعہ، کتاب الطہارۃ بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۴۰)

پس ثابت ہوا کہ اہلِ ماتم کو نذر نیاز کھلانا سنتِ رسولؐ ہے۔

ثبوت ۳۲:۔ رسالت مآبؐ کا سیاہ لباس پہننا

جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منقش چادر بھی پہنتے تھے سادہ چادر بھی اور حضورؐ کالا لباس بھی زیب تن فرماتے تھے۔

(زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۵۱)

اگر سیاہ لباس پہننا ممنوع ہوتا تو آنحضرت اس رنگ کا لباس کیوں پہنتے؟

ثبوت ۳۳:۔ امین الوحی حضرت جبرئیلؑ کا سیاہ پوش ہونا

صحابی انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ایک روز جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور وہ کالی عبا اوڑھے ہوئے تھے اور سر پر سیاہ عمامہ باندھے تھے اور پیروں میں سیاہ جوتے تھے۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ صفحہ ۲۳۲)

اگر سیاہ لباس دوزخی لوگوں کا ہے تو پھر جبرئیلؑ جیسے معصوم فرشتے نے اسے زیب تن کیوں کیا؟

ثبوت ۳۴:۔ حضرت عمر بن خطابؓ کالے لباس میں

علامہ طبری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ابی بکر العبس نے دیکھا کہ سخت گرمی کے

دن حضرت عمر سیاہ چادر پہنے اور اوڑھے ہوئے تھے۔ (ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۶۲)

اگر کالے کپڑے پہننا حرام ہے تو فاروق اعظم اہلسنت نے اس رنگ کا لباس کیوں پہنا؟

ثبوت ۳۵: حضرت عثمان کے غم میں سیاہ پوشی

"خلیفہ سوم اہلسنت حضرت عثمان کے قتل کے دن ایک جماعت نے سیاہ لباس پہنا" (شرح شمائل ترمذی صفحہ ۱۶۶)

اگر کالا لباس پہننے میں کوئی قباحت ہوتی تو حضرت عثمان کی سوگوار جماعت ایسے کپڑے نہ پہنتی۔

ثبوت ۳۶: کالی کملی والےؐ کی کالی پگڑی

مروی ہے کہ حضورؐ کو دیکھا گیا کہ آنجنابؐ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور آنحضرتؐ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔

(صحیح ترمذی جلد ۱ صفحہ ۵۱۲، صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۵۲۱، سنن نسائی جلد ۸ صفحہ ۲۱۱)

کیا اب بھی کالے لباس کے خلاف فتویٰ دے کر منہ کالا کروانے کا خیال ہے؟

ثبوت ۳۷: وفات عمرؓ پر جنات کی مرثیہ خوانی، سیاہ پوشی اور ماتم

محب الطبری مشہور علامہ اہلسنت نے اپنی معتبر کتاب "ریاض النضرۃ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے انتقال پر جنات نے مرثیہ کہا کہ اے عمرؓ تیری موت کے غم میں جنات کی عورتیں جو حسن میں دیناروں کی مانند ہیں اپنے منہ پیٹ رہی ہیں

اور تیرے غم میں انہوں نے اپنے ریشمی لباس کالے لباسوں میں تبدیل کر لئے ہیں۔"

(ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ مطبوعہ بغداد)

بس تو بس یہ کہوں گا اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

ثبوت ۳۸: سبط اکبر امام حسنؑ کی سیاہ پوشی

"امام حسن علیہ السلام سیاہ لباس پہن کر خطبہ دیتے تھے اور آپ کا عمامہ سیاہ ہوتا تھا۔" (شرح شمائل ترمذی صفحہ ۱۶۶)

اگر جوانانِ جنت کے سردار، فرزند رسولِ ابرارؐ کالا لباس زیب تن کر سکتے ہیں تو پھر ملا کے فتوے کی کیا وقعت ہو گی۔

ثبوت ۳۹: ابوہریرہ کا ماتم

راوی کا بیان ہے کہ "میں نے ابوہریرہ کو دیکھا کہ وہ اپنا ماتھا پیٹ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اہل عراق تم گمان کرتے ہو کہ میں نبیؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں۔"

(ادب المفرد بخاری، سنن ابن ماجہ بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۲۳)

صحابی رسولؐ حضرت ابوہریرہ کے ماتم کے خلاف کیا فتویٰ ہو گا؟

ثبوت ۴۰: حضرت عمرؓ کا سر پیٹنا اور بین کرنا

(۱) جب حضرت عمرؓ کو نعمان بن مقرن کی موت سے آگاہی ہوئی تو انہوں نے سر پر ہاتھ رکھا اور چیخے ہائے افسوس نعمان کے لئے۔

(کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۱۱۷ کتاب الموت)

افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ نعمان کا غم منائیں تو کوئی جرم نہیں مگر شیعہ حسینؑ کی عزاداری کریں تو خطاوار ٹھہرائے جائیں۔

ثبوت ۴۱ ۔ حضرت عثمان کے غم میں ماتم

علامہ ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ جب قاتلوں نے حضرت عثمان کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا تو عورتوں نے چیخ و پکار کی اور اپنے منہ پیٹے۔ ان پیٹنے والی عورتوں میں دو حضرت عثمان کی بیویاں تھیں۔ ایک نائلہ اور دوسری ام البنین اور دو بیٹیاں تھیں۔"

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۱۸۸ / تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۲
تاریخ اعثم کوفی صفحہ ۱۵۹)

اگر مخالفین کی یہ دلیل مان لی جائے کہ ماتم سب سے پہلے یزیدؒ کے گھر سے شروع ہوا تو کیا عثمان کے اہل خانہ کی ماتم داری سے بھی یہی ماخوذ ہوگا کہ ان سوگواروں نے خود ہی عثمان کو قتل کر کے پیٹنا شروع کر دیا۔ فافہم!

ثبوت ۴۲ ۔ اصحاب رسولؐ کا ران پیٹنا

معاویہ بن حکم سلمی سے مروی ہے کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک آدمی کو چھینک آئی۔ میں نے اسے یرحمک اللہ کہا تو قوم نے مجھے گھورا تو میں نے ان سے کہا مجھے کیوں گھورتے ہو تو صحابہ نے اپنی رانوں کو پیٹا۔

(سنن نسائی جلد ۳ صفحہ ۱۶ / سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ بحوالہ ماتم اور صحابہ صفحہ ۱۳)

اگر ران پر ہاتھ مارنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو پھر موجودگی رسولؐ میں اصحاب نے رانوں کو پیٹ کر اپنے اعمال کیوں گنوا دیئے۔!

ثبوت ۴۳ ۔ حضرت حیدر کرارؑ کا ران پیٹنا

"چوں شکست بر لشکر ام المومنین افتاد و مردم از طرفین مقتول شدند

حضرت امیر کشتہ را ملاحظہ فرمود ران ہائے خود را کوفتن گرفت۔"

(تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صفحہ ۴۳۵)

یعنی جب (جنگ جمل میں) لشکر حضرت عائشہ کو شکست ہوئی اور امیر المومنینؑ نے طرفین کے مقتولوں کی لاشوں کو دیکھا تو (اس صدمہ سے) اپنی ران کو پیٹنا شروع کر دیا۔"

تعجب ہے کہ اہل سنت کے چوتھے خلیفہ اور شیعہ کے امام اول کو اس بات کا لحاظ نہ رہا کہ ران پیٹنے سے اعمال باطل ہوتے ہیں!

ثبوت ۴۴ ۔ رسول مقبولؐ کا ماتم میں شرکت کی اجازت دینا

ام المومنین حضرت ام سلمہ نے ایک دن حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ بنی مخزوم کی عورتوں نے ولید ابن ولید ابن مغیرہ کا ماتم بپا کیا ہے (میں اس میں شرکت کی اجازت طلب کرتی ہوں) پس آنحضرتؐ نے ان کو اجازت عطا فرمائی۔ ام سلمہ آئیں اور روتے پیٹتے اس شعر کے ساتھ ماتم میں شرکت کی۔

ابکی الولید بن الولید بن المغیرہ ـــ ابکی الولید بن الولید اخا العشیرہ

(کتاب المعجم الصغیر۔ طبرانی صفحہ ۲۰۶)

اگر ماتم حرام ہے تو پھر آنحضرتؐ نے اپنی زوجہ محترمہ کو اس میں شرکت کی اجازت کیوں دی؟

ثبوت ۴۵ ۔ حضرت آدمؑ کا پیٹ کر خون بہانا

در روایت است کہ چنداں قلق و اضطراب در دے اثر کردہ کہ دست

بزانو زدہ کہ گوشت و پوست از دست و سرِ زانوئے او رفتہ بود و استخواں ظاہر شدہ۔ (معارج النبوۃ رکن اوّل صفحہ ۴۸)

یعنی حضرت آدمؑ میں بے چینی و اضطراب نے اس درجہ اثر کیا کہ اپنا ہاتھ زانو پر مارتے کہ اس سے گوشت و پوست ہاتھ اور زانو کا اُتر گیا اور ہڈی ظاہر ہو گئی۔

اب ظاہر ہے اکا دکا ہاتھ مارنے سے گوشت پوست تو اُدھڑ نہیں سکتا اور نہ ہی ہڈی ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آدمؑ کا یہ عمل متواتر رہا اور جب چمڑی اُتری ہو گی تو خون بھی لازماً بہا ہو گا۔ اگر قلق و اضطراب کی حالت میں ماتم کرنا اور خون بہانا حرام ہوتا تو ایک معصوم نبی ایسے فعل حرام کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر بشری تقاضے کے تحت لغوے ایسا سہواً ہو بھی جاتا تو خدا کی طرف سے ممانعت ہو جاتی۔ پس یہ خیال کہ ران پیٹنے سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ درست نہیں ہے۔

ثبوت نمبر ۴۶۔ ابن عباسؓ کا غمِ حسینؑ میں نابینا ہو جانا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو اہلسنت بحر العلوم تسلیم کرتے ہیں۔ آپؓ کو حضرت امیرؑ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ چنانچہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی تو ابن عباسؓ امام مظلوم کی مصیبت یاد کر کے اس طرح گریہ کرتے تھے کہ رو رو کر آپ کی بینائی ختم ہو گئی۔

(تذکرۃ الخواص الامہ سبط ابن جوزی صفحہ ۹)

قاضی صاحب نے ایسی مثال طلب کی تھی جو پیش کر دی گئی ہے۔

ثبوت نمبر ۴۷۔ زندہ کا غم منانے کا اجر و ثواب

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت یعقوبؑ کو اپنے بیٹے (یوسفؑ) کا کتنا غم تھا۔ جواب ارشاد فرمایا کہ اتنا جتنا کسی ماں کے ستر بیٹے لقمۂ اجل بن جائیں اور (دریافت کیا کہ اس غمِ یوسفؑ کا یعقوبؑ کیلئے) اجر کتنا؟ فرمایا سو شہید کے برابر۔ (تفسیر درِ منثور جلد ۴ صفحہ ۳۱ امام جلال الدین سیوطی)

یہی روایت تفسیر خازن جلد ۳ صفحہ ۲۵۳ میں اس طرح ہے کہ یوسف علیہ السلام نے جبرئیلؑ سے یہی سوال کیا اور انہوں نے ایسا ہی جواب دیا)

پس زندہ کے غم میں ماتم کرنے کا اعتراض رفع ہو گیا۔

ثبوت نمبر ۴۸۔ حضرت یعقوبؑ کا غمِ فرزند میں کمر خمیدہ ہونا

حضرت یعقوب علیہ السلام سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپ کی بصارت کو کس چیز نے زائل کیا اور آپ کی کمر کو خمیدہ کس شے نے کیا۔ آنجناب نے جواب دیا۔ غمِ یوسفؑ میں رونے سے میری بصارت جاتی رہی اور بنیامین کے غم نے میری کمر کو جھکا دیا۔ (تفسیر خازن جلد سوم صفحہ ۲۵۲)

ثبوت نمبر ۴۹۔ امام زین العابدینؑ کی عزاداری داتا گنج بخش کی زبانی

(امام زین العابدین) اس قدر گریہ فرماتے کہ صبح ہو جاتی۔ ایک روز میں (راوی) نے عرض کیا اے میرے سردار۔ میرے ماں باپ کے سردار، کب تک روتے رہیں گے؟ اور کب تک یہ خروش رہے گا۔ آپ نے فرمایا بھائی!

یعقوب علیہ السلام کا ایک یوسفؑ گم ہوگیا تھا تو اتنا روئے کہ چشم مبارک سپید ہوگئی۔ اور میں نے اپنے اٹھارہ آدمی مع باپ یعنی امام حسینؑ کو اپنے سے گم کئے ہیں۔ (کشف المحجوب علی بن عثمان الہجویری المعروف داتا گنج بخش لاہوری صنہ ۱۹۰ اردو ترجمہ)

پس ثابت ہوا کہ غم حسینؑ بھولنے والی چیز نہیں ہے۔

ثبوت ۵۰:۔ امام ابوحنیفہ کیلئے امام احمد بن حنبل کی عزاداری

"امام احمد بن حنبل حضرت امام ابوحنیفہ کی موت یاد کرکے گریہ کرتے اور ان کے لئے رحمتہ اللہ کہتے تھے۔"

(تاریخ خمیس علامہ حسین دیار بکری صنہ ۳۲۸)

ایک امام اہلسنت کا دوسرے امام اہلسنت کے لئے گریہ و بکا کرنا دلیل ہے کہ عزاداری حرام نہیں ہے بلکہ مباح ہے۔

ثبوت ۵۱:۔ خود ہی مارا خود ہی روئے!

جب حضرت عمر بن خطاب نے اپنے بیٹے ابوشحمہ پر حد جاری کی اور آخری کوڑا اس کو لگا تو وہ گر پڑا۔ حضرت عمر نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھا اور رونے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر سب نے رونا شروع کیا۔

(تاریخ الخمیس جلد ۲ صنہ ۲۵۳)

اگر زندہ کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو باپ نے بیٹے کو معذب کیوں کیا؟

ثبوت ۵۲:۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا بلند آواز سے رونا

جب سعد بن معاذ کا انتقال ہوا تو نبی صلعم احضرات ابوبکر و عمر آئے اور ابوبکر و عمر نے گریہ کیا۔ بی بی عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے ابوبکر کے گریہ کو حضرت عمر کے گریہ سے پہچان لیا۔ یعنی تمیز کر لی جبکہ میں اپنے حجرے میں تھی۔ (کشف الغمہ مؤلفہ عبدالوہاب شافعی صنہ ۱۷۶)

(اسی کتاب میں ہے کہ حضرات شیخین اس طرح روتے تھے کہ ہمسائے اور پڑوسی بھی سنتے تھے صنہ ۱۷۵)

اگر اونچی آواز سے رونا بے صبری کا مظاہرہ ہے تو پھر ان دونوں بزرگوں نے صبر کے دامن کو کیوں چھوڑ دیا؟

ثبوت ۵۳:۔ اسیروں کیلئے رونا سنت نبوی اور سیرت شیخین ہے۔

جب رسول خدا اور حضرت ابوبکر بدر کے قیدیوں کے (غم) میں رو رہے تھے تو حضرت عمر نے نبی سے کہا کہ مجھے بتایئے آپ کیوں گریہ زاری کر رہے ہیں۔ اگر مجھے رونا نہ آئے گا تو میں رونے والوں جیسی (مغموم) شکل بنا لوں گا۔

(زادالمعاد صنہ ۶۵ ابن قیم)

پس ثابت ہوا کہ معرکہ حق میں قیدی بنائے جانے والوں کے غم میں سوگوار ہونا سنت رسول بھی ہے اور سیرت شیخین بھی۔

ثبوت ۵۴:۔ حضرت یوسفؑ کا اپنے بھائیوں کو تصاویر دکھانا

قرآن و تفاسیر سے ثابت ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ ہوئے اور ان کے برادران دربارِ عالی سے غلہ لینے آئے تو آنجنابؑ نے اپنے بھائیوں کو شناخت کر لیا۔ اور اُن کو ایک کمرہ میں لے جانے کو کہا جہاں کہ وہ تمام ظلم کے واقعات تصاویر میں جتائے گئے جو انہوں نے حضرت یوسفؑ پر کئے تھے۔

اگر شبیہیں بنانا جائز نہ ہوتا تو نبیؑ ایسی تصاویر ہرگز تیار نہ کرواتے حضرت یوسفؑ کا تصاویر تیار کرا کے ظالم بھائیوں کو دکھانا اس بات کی دلیل ہے کہ ظالم کو اس کے مظالم کے نقشے ہمیشہ مظلوم دکھایا کرتے تھے جو ظالموں کو پسند نہیں ہوتا۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ کرتوت ظاہر ہوں۔

ثبوت ۵۵:۔ ابوالائمہ علیؑ اور اُم المسلمین عائشہ کا محمد بن ابوبکر پر جزع کرنا

جب جناب محمد بن ابوبکر کو قید کر کے معاویہ ابن خدیج کے پاس لایا گیا۔ تو اس نے محمد کو گدھے کی کھال میں بند کر کے جلا دیا۔ چنانچہ جس وقت بی بی عائشہ کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر پہنچی تو اس مصیبت پر جزع کیا۔ اور ہر نماز کے قنوت[1] میں معاویہ، عمرو بن عاص کے لئے بدعا کرتی تھیں۔ اور جب محمد کے قتل کی خبر علیؑ کو پہنچی تو آنجناب نے بھی جزع کیا (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۷۸)

---

[1] معلوم ہوا کہ بی بی عائشہ ہر نماز میں قنوت پڑھا کرتی تھیں۔

پس اگر جزع کرنا صبر کے منافی ہوتا تو صدیقہ اہلسنت اور خلیفہ راشد بے صبری کا مظاہرہ ہرگز نہ فرماتے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ظالم کے حق میں بددعا کرنا یعنی لعنت بھیجنا عملِ اُمّ المومنین ہے۔

ثبوت ۵۶:۔ زیارتِ علم مبارک اور اصحابِ رسولؐ کی گریہ زاری

جنگِ صفین میں افواج معاویہ کے خلاف لڑتے ہوئے جب حضرت عمار یاسرؓ جن کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ عمارؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا کو شہید کیا گیا تو اسی دن حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے میدانِ صفین میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا علم نکالا اور یہ علم مبارک قیس ابن سعد بن عبادہ کو دیا۔ جب اس علم کو بدری صحابہ، انصار صحابہ اور مہاجرین صحابہ نے دیکھا تو اس کے نیچے جمع ہو گئے اور (زمانۂ رسولؐ یاد کر کے) پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

(تذکرۃ الخواص الامہ، سبط ابن جوزی صفحہ ۵۴)

ثبوت ۵۷:۔ علَم کو احتراماً چومنا اور زیارت کی سعی کرنا

جب حضرت علیؑ نے جنگِ صفین میں مالک اشتر سے فرمایا کہ میرے پاس ایک علم ہے جو آج سے پہلے میں نے نہیں نکالا اور یہ وہ پہلا علم مبارک ہے جسے رسالت پناہ نے نکالا تھا اور آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے ابوالحسن تم میرے بعد ناکثین قاسطین سے جنگ کرو گے اور پھر جناب امیرؑ نے وہ علَم نکالا اور وہ بہت پرانا ہو چکا تھا۔ پس جب لوگوں نے نبیؐ کا علَم دیکھا تو بلند آواز سے رونے لگے اور جن لوگوں نے

اس علم تک پہنچنے کا راستہ پایا انہوں نے اُسے چوما۔

(اکسیر العبادات ص۲۶۳ بحوالہ ماتم اور صحابہ ص۲۱)

پس شبیہ علَم سے مقصود ایک نقشہ کو ذہن میں لانا ہوتا ہے اور اس کا ادب و احترام اظہارِ عقیدت کے طور پر ہے۔ جو نہ ہی شرک و بدعت ہے اور نہ ہی امرِ ممنوع۔ جیسا کہ اصحاب و تابعین کے عمل سے متذکرہ بالا روایات سے ثابت ہے۔

ثبوت نمبر ۵۸:۔ تعزیہ دار مستحقِ شفاعتِ شفیع المذنبین ہے

مخالفینِ عزاداری کا خیال ہے کہ تعزیہ اور دیگر رسوماتِ عزاداری کا ہندوستان میں بانی امیر تیمور تھا۔ چنانچہ ناصبی ذہن کے لوگوں نے تیمور کے خلاف کافی ہرزہ سرائیاں کی ہیں۔ چنانچہ عطا اللہ شاہ صاحب بخاری کے ایک شاگرد مولوی غلام حیدر صاحب ملتان نے اپنی کتاب "انتباہ الشیعہ" میں لکھا ہے کہ:۔

"کہ آپ کہتے ہوں گے کہ پھر آخر یہ تعزیہ کس نے بنایا۔ ہاں سنو! یہ تعزیہ اور باقی رسوماتِ عزاداری محرم کئی صدیوں سے واقعہ کربلا کے بعد تیمور لنگ بادشاہ نے قائم کئے ہیں جو کہ فاسق و فاجر اور ظالم و متبدع بادشاہ تھا۔ وہ کم بخت نہ تو صحابی تھا نہ تابعی جس کی سنت ہمارے لئے واجب الاتباع ہوتی۔ بلکہ وہ بدبخت عقیدۃً رافضی اور عملاً فاسق و فاجر انسان تھا۔ اس لئے یہ تعزیہ بنانا، علم اور ذوالجناح تیار کرنا بدعت اور حرام ہے۔ (انتباہ الشیعہ)

اب ذرا زبانِ مخالف ہی سے اس بانیٔ تعزیہ رافضی کی شان سماعت

فرمائیں مشہور شیعہ دشمن علامہ اپنی شیعہ کُش کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ:
"تحقیق جب تیمور لنگ مرض الموت میں علیل ہوا تو ایک روز سخت مضطرب ہوا کہ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور رنگ تبدیل ہو گیا۔ پھر افاقہ ہوا تو اس کے لواحقین و اہلکاروں نے اس سے پوچھا کہ ابھی تو تمہاری حالت غیر تھی اب تم باہوش ہو۔ تو تیمور نے جواب دیا کہ ابھی ابھی عذاب کے فرشتے میرے پاس آئے تھے۔ ان کو دیکھ کر میرا رنگ فق ہو گیا۔ پس ناگاہ دیکھتا ہوں کہ رسول اللہؐ میرے بالیں پر تشریف فرما ہوئے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ چلے جاؤ۔ میں اس کی شفاعت کے لئے آیا ہوں۔ یہ میری اولاد کا حُب دار ہے اور میری اولاد سے احسان کرتا تھا۔" (صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۴۷)

پس معلوم ہوا کہ تعزیہ دار آلِ محمدؐ کا حبدار ہوتا ہے اور بقول پیغمبرؐ عزاداری احسان ہے۔ اگر عزاداری حرام ہوتی تو فعلِ حرام کے بانی کی شفاعت کے لئے "شفیع المذنبینؐ" تشریف آور نہ ہوتے۔

ثبوت نمبر ۵۹:۔ بدگو و بدخواہِ عزادار کو رسولؐ کی ڈانٹ

"مورخ نجم بن فہد اور مقریزی نے روایت کی کہ ایک قاری قرآن جب تیمور لنگ کی قبر پر سے گذرتا تو یہ آیت پڑھتا کہ اے فرشتو اسے پکڑ لو اور جہنم کا طوق پہنا کر اس کو دوزخ میں ڈال دو ..... الخ

یہی قاری کہتا ہے کہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آنحضرتؐ تشریف فرما ہیں اور تیمور لنگ آپؐ کی ایک جانب بیٹھا ہے۔ میں نے اس کو ڈانٹا کہ اے دشمنِ خدا تو یہاں کیسے؟

میں نے ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اس کو پکڑ کر اُٹھا دوں اور حضورؐ سے دور کردوں کہ رحمت اللعالمینؐ نے فرمایا (اے ملّا) اس کو چھوڑ دے۔ یہ میری اولاد کا محبّ دار ہے۔ پس میں ڈر کر بیدار ہوا۔ اس کے بعد میں نے اس کی قبر پر وہ آیت پڑھنی چھوڑ دی۔ اور اس کو بُرا کہنا ترک کردیا۔"

(صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۴۱)

پس دشمن کی گواہی کے مطابق عزادار کا انجام یہ ہے کہ بوقت نزاع رسول کریمؐ شفاعت فرمانے کی کرم نوازی کرتے ہیں۔ بعد از مرگ اپنے پاس بٹھاتے ہیں۔ محب ہونے کا اعزاز عطا کرتے ہیں اور بدگو و بدخواہ کو ڈانٹ بتاتے ہیں۔ للہٰذا ثابت ہوا کہ عزاداری محبتِ اہلِ بیتؑ میں شامل ہے۔ اور مخالفت عداوت ہے۔

ثبوت ۶۰:۔ سیّد الساجدین کا مجلسِ عزا برپا کرنا۔ ذاکری فرمانا اور گریبان چاک کرنا۔

"جب امام زین العابدین علیہ السلام نے جمعہ کے دن مسجد کوفہ میں مجلس پڑھی اور واقعاتِ کربلا بیان کئے اور اپنی مظلومی ظاہر فرمائی اور فرمایا کہ تیرے لشکریوں نے مخدراتِ عصمت و طہارت کو شہر بشہر پھرایا۔ مجھے یتیم کیا اور میرے جد کے دین میں تو نے رخنہ ڈال دیا۔ اتنا فرمانے کے بعد آپ نے اپنی قمیض کا گریبان چاک کردیا۔"

(روضۃ الاحباب مجاشیہ۔ تاریخ احمدی ص۳۲۶ بحوالہ براہینِ ماتم ص۱۰۹)

ثبوت ۶۱:۔ صوفی بزرگ شاہ حسن میاں پھلواری حنفی قادری کا عزاداری کیلئے مشورہ

حضرت مولوی شاہ حسن میاں صاحب پھلواری حنفی قادری فرماتے ہیں کہ:۔

"ماہ محرم کا عشرہ ہم مسلمانوں کے غم و الم کے دن ہیں۔ امام مظلوم پر رونا سنّت ہے۔ میں اس غم میں رونے اور رُلانے کو ثواب عظیم جانتا ہوں اور عشرہ محرم میں ذکرِ اہلبیت کے سوا دوسرا ذکر نہیں کرتا۔ ہندوستان کے بزرگان و اولیاء اللہ ہمیشہ سے عاشورہ کے دن اظہارِ غم کرتے آئے اور حضرت قبلہ مولانا شاہ محمد سلیمان حنفی قادری چشتی سجادہ نشین پھلواری شریف کا یہی معمول رہا۔"

(غمِ حسینؑ ص۸)

اگر غم کا اظہار کرنا اور رونا رلانا ممنوع ہے تو پھر ہندوستان کے بزرگانِ دین اور اولیاء اللہ نے دائمی طور پر یہ طریقہ کیوں اختیار کیا!

ثبوت ۶۲:۔ بابا فرید شکر گنج کی عزاداری

پاک پٹن شریف کے بابا فرید شکر گنجؒ روزِ عاشور واقعہ کربلا کا ذکر کرکے آہ و زاری فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے تھے۔ آپ سے منقول ہے کہ بغداد میں ایک بزرگ تھے۔ ان کے سامنے حضرت امام عالیمقام کی شہادت کا ذکر ہوا۔ وہ بزرگ اس قدر روئے اور سر کو زمین پر اس زور سے مارا کہ وہ پھٹ گیا اور وہ انتقال فرما گئے۔ اسی

رات لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے اہل بیتؑ کی محبت میں جان دی تھی۔ اس لئے خدا نے مجھے بخش دیا اور اب میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہتا ہوں۔"

(اسوۂ صوفیاء عظام صہ ۸)

پس ثابت ہوا کہ اہل بیتؑ کی محبت میں ماتم و زنجیر زنی کرنا تو معمولی بات ہے اگر اس محبت میں جان بھی جائے تو باعث بخشش و مغفرت ہے۔

ثبوت نمبر ۶۴:۔ "تعزیہ داری واجب ہے"۔ منیریؒ "ماتم داری کی تعریف بزبانِ جبرئیلؑ"

مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روز عاشور لوگ حاضر ہو کر عرض کرتے کہ تعزیتِ خاندانِ شما ہمہ را واجب است یعنی خاندان رسالتؐ کی تعزیہ داری سب پر واجب ہے۔ حضور انورؐ کو جبرئیلؑ نے کہا کہ آپؐ کے اُمتی آپ کے نواسوں کی ماتم داری کریں گے۔ جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔"

پس صوفی بزرگ کے مطابق عزاداری اُمت پر واجب ہے اور آپؐ کے نواسوں کی ماتم داری معصوم فرشتے جبرئیلؑ کے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔

ثبوت نمبر ۶۴:۔ سادات کا طریقہ سلطان اشرف سمنانی کی زبانی

حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی محرم کا چاند دیکھتے ہی گریہ زاری میں مصروف ہو جاتے۔ رسم عاشوری برپا کرتے۔ ذکر مقتل پڑھتے۔ اسباب خوشی ترک کر دیتے اور فرماتے کہ تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سید الشہداءؑ کے غم میں سوگوار ہونا اکابرینِ اُمت اور سادات عظام کا طریقہ ہے۔

عزادار کا مرتبہ جیسا ہو اگر نہ؟

ثبوت نمبر ۶۵:۔ شیخ الاسلام مخدوم علاؤ الحق پنڈویؒ اور عزاداری حسینؑ

حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاؤ الحق پنڈویؒ محرم کے دس دن برابر گریہ زاری کرتے اور فرماتے کہ طرفہ ولی باشد کہ در ماتم خاندان رسولؐ ذگرید و عزائے او نہ دارد۔

؎ کے کو در چنیں ماتم ذگرید۔ دل او پا مگر از سنگ باشد

یعنی وہ کیا ولی ہوگا جو رسولؐ کے خاندان کے ماتم میں نہ روئے جو ایسے مقام ماتم پر بھی گریہ نہ کرے شاید وہ دل نہیں پتھر رکھتا ہے۔

(اسوۂ صوفیائے عظام صہ ۹)

پس ایک سُنی ولی ہی کی زبان سے ثابت ہوا کہ جو ماتم دار نہ ہو ولی نہیں ہے اور جو ماتم سے گریز کرے سنگدل ہے۔

ثبوت نمبر ۶۶:۔ بندہ نواز گیسو درازؒ کی عزاداری

حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات سے ظاہر ہے کہ آپ بھی محرم میں گریہ و بکا میں مصروف رہتے۔

ثبوت نمبر ۶۷:۔ تابعی حسن بصری کا سوگوار ہونا

جب خواجہ حسن بصری کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ اتنا روئے کہ کنپٹیاں پھٹنے لگیں۔

(ینابیع المودۃ صہ ۳۲۹)

رات لوگوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا میں نے اہل بیت کی محبت میں جان دی تھی۔ اس لئے خدا نے مجھے بخش دیا اور اب میں حضرت امام حسین کے ساتھ رہتا ہوں۔" (اسوۂ صوفیاء عظام صفحہ ۸)

پس ثابت ہوا کہ اہل بیت کی محبت میں ماتم و زنجیر زنی کرنا تو معمولی بات ہے اگر اس محبت میں جان بھی جائے تو باعثِ بخشش و مغفرت ہے۔

ثبوت نمبر ۶۳:۔ "تعزیہ داری واجب ہے"۔ منیریؒ "ماتم داری کی تعریف بزبانِ جبرئیلؑ"

مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزِ عاشور لوگ حاضر ہو کر عرض کرتے کہ تعزیتِ خاندانِ شما ہمہ را واجب است یعنی خاندانِ رسالتؐ کی تعزیہ داری سب پر واجب ہے۔ حضورِ انورؐ کو جبرئیلؑ نے کہا کہ آپؐ کے اُمتی آپ کے نواسوں کی ماتم داری کریں گے جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔"

پس صوفی بزرگ کے مطابق عزاداری اُمت پر واجب ہے اور آپؐ کے نواسوں کی ماتم داری معصوم فرشتے جبرئیل کے نزدیک قابلِ تعریف ہے۔

ثبوت نمبر ۶۴:۔ سادات کا طریقہ سلطان اشرف سمنانی کی زبانی

حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی محرم کا چاند دیکھتے ہی گریہ زاری میں مصروف ہو جاتے۔ رسمِ عاشوری برپا کرتے۔ ذکرِ مقتل پڑھتے۔ اسبابِ خوشی ترک کر دیتے اور فرماتے کہ تمام اکابر و سادات کا یہی طریقہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سید الشہداءؑ کے غم میں سوگوار ہونا اکابرینِ اُمت اور سادات عظام کا طریقہ ہے۔

عزادار کا مرتبہ شبیہ جیسا ہے اگر نہ ؟

ثبوت نمبر ۶۵:۔ شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈویؒ اور عزاداریِ حسینؑ

حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈویؒ محرم کے دس دن برابر گریہ زاری کرتے اور فرماتے کہ طرفہ دلی باشد کہ در ماتم خاندان رسولؐ نگرید و عزائے او نہ دارد۔

ع کسے کو در چنیں ماتم نگرید۔ دل او پا مگر از سنگ باشد

یعنی وہ کیا دلی ہوگا جو رسولؐ کے خاندان کے ماتم میں نہ روئے جو ایسے مقامِ ماتم پر بھی گریہ نہ کرے شاید وہ دل نہیں پتھر رکھتا ہے۔

(اسوۂ صوفیائے عظام صفحہ ۹)

پس ایک سُنی ولی ہی کی زبان سے ثابت ہوا کہ جو ماتم دار نہ ہو ولی نہیں ہے اور جو ماتم سے گریز کرے سنگدل ہے۔

ثبوت نمبر ۶۶:۔ بندہ نواز گیسو درازؒ کی عزاداری

حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز کے ملفوظات سے ظاہر ہے کہ آپ بھی محرم میں گریہ و بکا میں مصروف رہتے۔

ثبوت نمبر ۶۷:۔ تابعی حسن بصری کا سوگوار ہونا

جب خواجہ حسن بصری کو امام حسینؑ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ اتنا روئے کہ کنپٹیاں پھڑکنے لگیں۔

(ینابیع المودۃ صفحہ ۳۲۹)

ثبوت ۶۸:۔ غمِ شبیرؑ کے بغیر قبر میں چین نہیں!

اہلِ سنت مولوی وارث علی صاحب سیفی حنفی "تقریراتِ شہادتین" میں ایک رباعی لکھتے ہیں۔

شبیرؑ کے غم میں جو نہ رویا ہوگا
سب عمر کو اس نے مفت کھویا ہوگا
اس غم سے جو محزون نہ ہوا دنیا میں
وہ قبر میں چین سے نہ سویا ہوگا

شاعر کا یہ دعویٰ بجائے خود مبرہن ثبوت ہے کہ حسینؑ کے لیے اشکِ غم کی روانی تمام دکھوں اور مصائب سے نجات دینے کا ذریعہ ہے اور عزادارِ حسینؑ کو قبر کے عذاب سے بچانے کا آسان طریقہ ہے۔ جیسا کہ حضرت تیمور لنگ کا واقعہ گذشتہ اثبات میں پیش کیا گیا۔

ثبوت ۶۹:۔ امام شافعی کی مرثیہ خوانی

مفتیٔ اعظم قسطنطنیہ شیخ سلیمان قندوزی حنفی اپنی معرکۃ الآرا کتاب ینابیع المودۃ میں تحریر کرتے ہیں کہ امام شافعی نے امام حسینؑ علیہ السلام کا مرثیہ کہا ہے۔ (ینابیع المودۃ ص ۳۳۲)

اگر مرثیہ خوانی حرام ہوتی تو آئمہ اربعہ میں کے امام فقہ غمِ حسینؑ میں مرثیہ نہ پڑھتے۔

ثبوت ۷۰:۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا فتویٰ

تمام سال میں اس فقیر کے گھر (دولتکدہ شاہ عبدالعزیز پر)

دو مجلسیں ہوتی ہیں۔ (۱) مجلس ذکرِ وفات شریف (۲) مجلس ذکر شہادتِ حسین۔

لوگ عاشورا کے دن یا ایک دو دن پہلے قریباً چار پانچ سو کبھی ہزار جمع ہوتے ہیں۔ درود پڑھتے ہیں۔ پھر یہ فقیر (شاہ جی) آکر بیٹھتا ہے۔ ذکر فضائل حسنین علیہما السلام ان بزرگوں کی شہادت اور قاتلوں کی بد انجامی کی حدیثیں بیان ہوتی ہیں۔ اور جن و پری کے مرثیے جو حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابہ سے مذکور ہوئے ہیں۔ اس میں اگر کوئی خوش الحان سلام یا مرثیہ پڑھتا ہے حاضرین مجلس اور فقیر کو رقت طاری ہو جاتی ہے۔ پھر ختم قرآن و پنج آیت پڑھ کر ماحضر پر فاتحہ دی جاتی ہے (پھر یہ نیاز تقسیم ہوتی ہے) (فتاویٰ عزیزیہ ص ۱۰۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی شخصیت و ناموری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کی شیعہ دشمنی بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے اور اہلِ سنت کے مناظرین میں ان کا نام ہندوستان کی فہرست میں چوٹی پر ہے کہ متاخرین نے اسی سے خوشہ چینیاں کی ہیں۔ اس قدر شدتِ اختلاف کے باوجود شاہ جی نے عزاداری سید الشہداؑ کے جواز پر مہر تصدیق ثبت فرمائی ہے۔ اگر مجلسِ عزا کا انعقاد کرنا، فضائل و مصائب اہل بیتؑ کا ذکر کرنا، واقعاتِ شہادت سننا، مرثیہ خوانی کرنا، سلام پڑھنا ان مواعظ کو سن کر گریہ زاری کرنا پھر نذر و نیاز تقسیم کرنا جو تمام امورِ عزاداری کے زمرے میں آتے ہیں ناجائز و حرام ہوتے تو شاہ صاحب موصوف ہرگز ایک سنی المذہب مناظر ہوتے ہوئے ان کا ارتکاب نہ کرتے۔

شاہ صاحب کا منقولہ بالا فتویٰ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ عزاداری امام حسین علیہ السلام شرعی و اخلاقی لحاظ سے مباح و جائز ہے۔

ثبوت ۷۱۔ تبرکات و زیارات شعائر اللہ میں داخل ہیں

علامہ اہلِ سنت امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں آیت ان الصفا والمروة من شعائر اللہ کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:۔

"و اما شعائر اللہ فھی اعلام طاعتہ و کل شئی جعل علما من اعلام طاعتہ اللہ فھو من شعائر اللہ۔

یعنی شعائر اللہ خدا کی اطاعت کے نشانات کو کہتے ہیں اور جو چیز بھی خدا کی اطاعت کا نشان بنائی جائے وہی شعائر اللہ میں داخل ہو گی۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۲۳۱)

پس ثابت ہوا کہ چونکہ محبتِ حسین اطاعتِ خداوندی ہے لہٰذا جس قدر بھی نشانیاں آلِ رسولؐ کی محبت پر دلالت کریں گی وہ سب کی سب شعائر اللہ ہوں گی۔ خواہ وہ جاندار ہوں یا بے جان۔ مثلاً ذوالجناح، تعزیے، علم وغیرہ لہٰذا ان کی تعظیم واجب ہو گی اور ان کی توہین تقریراً یا تحریراً حرام ہو گی کیونکہ حکم ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تحلوا شعائر اللہ۔ یعنی اے مومنو! شعائر اللہ کی بے عزتی نہ کرو۔ اگر "بدن" شعائر میں داخل ہے تو "ذوالجناح" بھی شعائرِ خدا میں شامل ہو گا۔

ثبوت ۷۲۔ عزاداری آثارِ اسلام سے ہے۔

مذہبِ شیعہ کے خلاف تحریر کردہ کتاب "تبصرة الایمان" میں مصنف علامہ

سلامت علی بنارسی نے اقرار کیا ہے کہ

"الحمد للہ کہ آں از آثار اسلام است و عالمے بوجوہ کثیرہ ازاں بہرہ اندوز زند و فوائد دینی ازاں حاصل است و شک نیست در آں کہ امام باڑہ و نقل تربت بعد مرتب شدن لائق تعظیم است و آداب آں شان ایمان" (تبصرة الایمان مطبوعہ کلکتہ ۱۲۳۶ھ ص ۲۲۰)

یعنی عزاداری آثارِ اسلام سے ہے اور دنیا بوجوہ کثیر اس سے بہرہ اندوز ہو رہی ہے اور دینی فائدے حاصل ہو رہے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ امام باڑہ اور نقل تربت تیار ہو جانے کے بعد لائق تعظیم ہے اور ان کا ادب کرنا شایانِ ایمان ہے۔

پس بزبانِ مخالف ثابت ہوا کہ عزاداری آثارِ اسلام سے ہے اور اس کے دینی فوائد حاصل ہو رہے ہیں اس لئے اس کو ناجائز و حرام قرار دینا دراصل آثارِ اسلام کو مٹانے کی مذموم کوشش ہے۔

ثبوت ۷۳۔ شاہ فیصل کی عزاداری

فرماں روائے مملکت سعودی عرب شاہ فیصل کے قتل پر یہ کہے گئے مندرجہ ذیل اشعار دورِ حاضر میں عزاداری کی اہمیت و جواز کے لئے ثبوت ہیں:۔

وا فیصلاہ

العین باکیة من شدة الاحزان — والقلب فی کمد من لیق لوعة النیران
اکبادنا مشجورة اذھاننا مفجوعة — فلاسوا المرئی و اعینھا تری الغیان
ان غال قائدنا المعظم فیصلا الفجارة — بیدین رجل سفیہ من بنی الاخوان

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ مارچ ۱۹۷۶ء)

اِن اشعار کا مطلب یہ ہے کہ ہم سوگواروں کی آنکھیں خون رو رہی ہیں۔ دل غم کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہم عزاداروں کے دل چھلنی ہیں ذہن ماؤف ہیں۔ اور ہمارے حواس کھو چکے ہیں کہ ہمارے قائد فیصل کو ان کے بے وقوف بھتیجے نے پستول کی گولی کا نشانہ بنا دیا ہے۔

پاسبانِ حرمین شریفین سعودی حکومت کے بادشاہ کی ہلاکت پر اُن کے غم میں عزاداری کی متذکرہ بالا کیفیت اگر جائز ہے اور "وا فیصلا" یعنی "ہائے فیصل" کا عنوان درست ہے تو پھر شہنشاہِ کربلا کی اُمت کے ہاتھوں مظلومانہ شہادت پر عزاداری کیونکر ممنوع ہو سکتی ہے۔

ثبوت ۷۴:۔ رسوماتِ عزاداری باعثِ رحمت ہیں۔

متفق بین الفریقین حدیثِ نبوی ہے کہ "ینزل الرحمة عند ذکر الاخیار" یعنی نازل ہوتی ہے رحمت بوقت ذکر کرنے احوال نیک بختوں کے۔ پس عزاداری کے وقت شیعہ ذکرِ احوالِ اخیار کرتے ہیں لہٰذا اس وقت نزولِ رحمت ہوتا ہے۔

ثبوت ۷۵:۔ گریہ میں اثرِ رحمت ہے۔

بموجب متفقہ حدیثِ رسول کہ "فی البکاء اثر الرحمة" کہ بکا میں اثرِ رحمتِ خداوندی ہے۔ مصائبِ اہلِ بیتؑ کا ذکر برپا کر کے رونا، رلانا، آہ و فریاد کرنا سب میں اثرِ رحمت ہے اس لئے عزاداری موجبِ ثواب، ترقیٔ درجات، کفارہ سیئات اور دلیلِ شفقت و شفاعت ہے۔

ثبوت ۷۶:۔ رنج و غصہ کی حالت میں چہرے کا سُرخ ہونا

طبعی اثر ہے کہ عموماً غصہ و رنج کے مواقع پر انسان کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ اور خوف و خطرہ کی حالت میں رنگ پیلا پڑ جاتا ہے۔ یا فق ہو جاتا ہے تکلیف و علالت میں اکثر رنگت سیاہ مائل یا زرد مائل ہو جاتی ہے۔ ان طبعی اثرات کا اگر بنظرِ عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ متحقق ہوتا ہے کہ انسانی اعضا و جوارح قدرتاً ایسے ردِ عمل بجا لاتے ہیں اور انسانی قصد کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے۔ تحقیقِ جدید کی روشنی میں شدتِ رنج و غلبہ الم و غصہ کے باعث اگر رنگت کی تبدیلی دیرپا ہو جائے تو انسانی صحت کے لئے مضر ہو جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات جان لیوا ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں اپنے جسم یعنی گوشت پوست کو تکلیف دینا بہترین علاج ہے۔ میں اس طبی کلیہ کو اپنے ماتم اور خصوصاً زنجیری ماتم کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتا ہوں کہ عالمِ حزن و ملال میں شدتِ اضطراب کے باعث ہم ماتم کرتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو جوشِ غم عجب نہیں جو مضر ہو۔ لہٰذا ماتم طبی نکتہ نگاہ سے مذموم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مواقع پر ماتم نہ کرنا غیر مفید ہے۔ جوں جوں صدماتی کیفیت اور حالتِ غم کی اتفاقی صورت میں اضافہ ہوگا اسی نہج و متقابل پر علاجی ترکیب میں مقدار بڑھائی جائیگی جو زنجیر زنی تک پہنچ سکتی ہے۔ گردشِ خون کی رفتار کا اس طرح تیز ہو جانا کہ اظہار بار نکلنے لگے اس بات کی علامت ہے کہ اس طغیانی کو روکنے کے لئے اس کا رُخ کاٹ کر موڑا جائے۔

ثبوت ۷۷:۔ شہادتِ حسینؑ پر اظہارِ غم بصورتِ شفقت

پروردگارِ عالم کی ذاتِ بابرکات حادث نہیں۔ لہٰذا ایسی طبعی کیفیات اس

کے لئے تجویز نہیں ہو سکتی ہیں۔ مگر روایات میں ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ نے غمِ حسینؑ کا اظہار اور اپنا غضب بصورتِ شفق آسمانی ظاہر فرمایا۔ چنانچہ علما کا بیان ہے کہ آسمان پر سرخی شہادتِ حسینؑ سے پہلے نہ تھی۔ اور یہ غضبِ الٰہی کی علامت ہے جو امام حسینؑ کی مظلومانہ شہادت پر ہوا۔

پس غمِ حسینؑ میں آسمان پر بکھرے ہوئے یہ خونی آنسو اس بات کی دلیل ہے کہ اس غم میں خون کے چند قطرے بہالئے جائیں تو یہ اظہارِ غم و غصہ ہوگا۔

ثبوت ۷۸:۔ طبی لحاظ سے غم و صدمہ کے وقت خون بہانا

غصہ و الم کے موقعوں پر اکثر ایسا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ان حالتوں میں بسا اوقات دورانِ خون رک جانے کا قوی احتمال پایا جاتا ہے۔ اندریں حالت اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرنا یا خون نکالنا گردشِ خون کے عمل کو بحال رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سکتہ کے عالم میں مریض کو تکلیف دی جاتی ہے۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ وہ روئے۔ پس ہم شیعوں کے لئے اہلبیت کے مصائب سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں ہے لہٰذا اگر ایسے وقت میں ماتم کرتے ہیں یا زنجیر مارتے ہیں تو یہ اظہارِ تعزیت بھی ہے اور طبی حکمتِ عملی بھی۔

ثبوت ۷۹:۔ زنجیری ماتم کی حکمتی دلیل

ایسا بھی ہوتا ہے کہ خوف، رنج، غم، صدمہ اور مصیبت کے اوقات پر خون خشک ہو جاتا ہے۔ اگر تھوڑا بہاؤ جاری رہے تو یہ عارضہ لاحق نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ غمِ آلِ رسولؐ ہمارے لئے بہت بڑا غم ہے لہٰذا ایسے میں

امکان ہے کہ ضبط کی صورت میں یہ حالت واقع ہو جائے لہٰذا زنجیر زنی سے از خود ہی یہ حفظ ماتقدم مہتمم ہو جاتا ہے۔

ثبوت ۸۰:۔ عالمِ ملال میں خون پر اثرات

اطبا کا تجربہ ہے کہ دکھ و درد، رنج و ملال، حزن و خوف، غم و صدمہ کی حالتوں میں خون پر نمایاں اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رنگت تغیر پذیر ہوتی ہے۔ ایسی شدید حالتوں میں عموماً خون کے سرخ ذرات جل جاتے ہیں۔ خون اندر ہی اندر کالا پڑ جاتا ہے جسے جلد از جلد خارج کر دینا بہتر ہوتا ہے

پس عزادار جب ماتمِ زنجیر کرتا ہے تو اس بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

ثبوت ۸۱:۔ خون نکالنا بعض امراض کا شافی علاج ہے

قدیم زمانہ سے مروّج ہے کہ لوگ بذریعہ جراحت کئی امراض کا علاج محض فاسد خون کو خارج کر کے کرتے رہے۔ پچھنے لگوائے جاتے تھے۔ اور جونکوں کے ذریعہ خون نکلوایا جاتا تھا اب بھی دیہاتوں میں یہ طریقہ رائج ہے مگر شہروں میں یہی عمل سائنسی آلات کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔

پس عزادار جو زنجیر سے ماتم کرتا ہے دہرا فائدہ حاصل کرتا ہے۔ علاج بھی ثواب بھی۔ آم کے آم گٹھلیوں کے دام!

ثبوت ۸۲:۔ مکلّفِ شریعت عاقل و باہوش ہے

اُمتِ مسلمہ کے تمام مکاتبِ فکر کا اتفاق ہے کہ شرعاً مکلّف وہی شخص ہے جو باہوش و حواس ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے نشے و بے ہوشی کی حالت میں نماز تک

پڑھنے کی ممانعت ہے۔ نیند کی غنودگی کو وضو ٹوٹ جانے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اگر ہم (بالفرض) مخالفین کی یہ بات قبول کر لیں کہ عزاداری ناجائز ہے تو بھی سید الشہداء علیہ السلام کی ماتم داری متاثر نہیں ہو گی کیونکہ یہ شدید صدمہ کے باعث ہے۔ جو اکثر حواس کو بے قابو کر کے ایسے مقام پر لے آتا ہے کہ جہاں انسان زمرہ مکلفین سے باہر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ وفاتِ سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خبر سُن کر حضرت عمرؓ پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ حالت اس قدر غیر ہوئی کہ ہاتھ میں برہنہ تلوار لے کر بطریقِ مجنونانہ لوگوں کو دھمکاتے کہ اگر کسی نے کہا کہ رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے تو میں اس کا سر تن سے جُدا کر دوں گا۔ ظاہر ہے کہ عالمِ ہوش میں اگر کوئی شخص اس طرح دھمکائے تو قابلِ تعزیر ہے مگر چونکہ وہ رسولؐ کی وفات پر اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھے لہٰذا اسے محبت و عشق والہانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہم اسی ہی واقعہ کو دلیل بنا کر کہتے ہیں کہ جس طرح غمِ رسول میں فاروقِ اہلسنت کا اظہارِ صدمہ ہاتھ میں تلوار اور زبان پر قتل کی ہیئت میں قبول ہے اسی طرح شیعہ کا ماتمِ زنجیر بھی فرطِ محبت، رقتِ قلبی اور شدید قلق و اضطراب کی علامت ہے۔ کیونکہ ایسے صدمات پر انسان عموماً اپنے حواس پر قابو نہیں رکھتا اور اس صورت میں اگر کوئی ناجائز فعل کا ارتکاب بھی کرے تو قابلِ عفو و درگذر ہوتا ہے۔

ثبوت ۸۳:۔ ایامِ یادگار منانا

متوفی کے اہل و عیال تو اپنی ذاتی سطح پر مرحوم کو ہمیشہ یاد کرتے ہیں مگر ایسے معززین جنہوں نے قوم و ملت کے لئے کوئی کارنامہ سرانجام دیا یا ایسے قائدین جن کی قیادت سے اقوام کو سرفرازی ملی ان کے پیروکار ان کی یادگاریں ہمیشہ قائم رکھتے ہیں۔ دُور مت جائیے۔ قائداعظم محمد علی جناح مرحوم نے پاکستان بنایا۔ لہٰذا قوم ہر سال ۱۱ ستمبر کو ان کا یومِ وفات بڑی تعظیم سے مناتی ہے۔ اسی طرح شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم کا یوم بھی بڑے احترام سے منایا جاتا ہے نیز بزرگانِ دین کے عرس شریف پورے تزک و احتشام سے منائے جاتے ہیں۔ اور یہ رواج صرف ہمارے ملک ہی میں نہیں بلکہ تمام اقوام میں یہ چیز رائج ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلاف صالحین کی یادگار کا دن منانا بین الاقوامی سطح پر متفق امر ہے۔ پس شہادتِ عظمیٰ کا روز بھی استحقاق رکھتا ہے کہ اس کی یاد قائم رکھی جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ بڑی ہستی کے لواحقین اسی طرح یاد منائیں جس طرح قومی سطح پر منائی جاتی ہے۔

ثبوت ۸۴:۔ اظہارِ تعزیت باہمی اخوت و محبت کا سبب ہے

اگر کسی عزادار گھرانے سے اظہارِ تعزیت کیا جائے تو اس کو معاشرتی تمدن کی خوبی کہا جائے گا جو مستحسن ہو گا۔ اس کے برعکس اگر اظہارِ افسوس نہ کیا جائے گا تو بے رُخی، بے حسی اور بے مروتی بلکہ سنگدلی کا مظاہرہ ہو گا۔

ثبوت ۸۵:۔ ایک بزرگانہ نصیحت

بزرگوں کا مشہور قول ہے کہ آدمی خوشی کے موقع پر شرکت کرے یا نہ کرے مگر غمی کے موقع پر ضرور شرکت کرے۔ مجلسِ عزا اور ماتم محافلِ غم ہیں۔ لہٰذا ان میں شرکت کرنا چاہیئے اور بلا وجہ اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہیئے۔

ثبوت نمبر ۸۶: حضرت داؤدؑ کا غمِ پسر میں ہر روز ماتم کرنا

کتاب مقدس کے پرانے عہدنامہ کی کتاب سموئیل ۲ میں ہے کہ "داؤد ہر روز اپنے بیٹے کے لئے ماتم کرتا رہا۔"

(سموئیل نمبر ۲، آیت نمبر ۲۷، صفحہ ۳۰۷، باب نمبر ۱۳)

صاحبِ کتاب نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے غم میں ہر روز ماتم کرنا ثابت کرتا ہے کہ ماتم نبیوں کی سنّت ہے۔

ثبوت نمبر ۸۷: حضرت داؤدؑ کا ماتم برپا کرنے کا حکم دینا

"اور داؤد نے یوآب سے اُن لوگوں سے جو اس کے ساتھ تھے کہا کہ اپنے کپڑے پھاڑو اور ٹاٹ پہنو اور ابنیر کے آگے آگے ماتم کرو اور داؤد بادشاہ آپ جنازے کے پیچھے پیچھے چلا۔ انہوں نے ابنیر کو حبرون میں دفن کیا اور بادشاہ نے ابنیر پر مرثیہ کہا۔"

(۲۔ سموئیل باب نمبر ۳ آیت نمبر ۳۱ تا نمبر ۳۳ صفحہ ۲۹۷)

پس حضرت داؤد علیہ السلام کا ماتم کیلئے حکم دینا حلّتِ ماتم کی دلیل ہے۔

ثبوت نمبر ۸۸: قرآن مجید میں عزاداری کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے

قرآن مجید میں عزاداری کو کہیں بھی حرام قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ قصص انبیاءؑ میں اس کو سنّتِ خاصانِ خدا بتایا گیا ہے۔ نیز حکمِ قرآن کے مطابق مظلوم کے لئے اقوالِ سوء بھی جائز ہیں۔ پس قرآن میں عزاداری کا جواز تو مل جاتا ہے مگر ممانعت نہیں ملتی اور جس فعل پر ممانعت وارد نہ ہو وہ فقہی

اصول کے مطابق حکمِ اباحت میں داخل ہوگا۔ مخالفین نے غلط فہمی کی بنا پر عزاداری کو متضاد صبر مشہور کر رکھا ہے۔ اس لئے وہ اپنی تائید میں صرف صبر کی تلقین کرتے ہیں حالانکہ عزاداری منافی صبر نہیں ہے۔

ثبوت نمبر ۸۹: ممانعتِ عزاداری میں کوئی صحیح حدیث دستیاب نہیں۔

عزاداری کی ممانعت میں کوئی بھی صحیح حدیث دستیاب نہیں۔ کیونکہ ایسے اقوال یا تو بطور تسلّی ملتے ہیں یا پھر ان کا تعلق زمانہ جہالت جیسی عزاداری سے ہے جس میں اللہ و تقدیر کے شکوے شکایت کر کے خدا کی شان میں گستاخیاں کی جاتی تھیں۔ ہم یہ ثبوت اس دعوے کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ ماتمِ شبیرؑ کے حرام ہونے کی دلیل میں ایک بھی مرفوع حدیث صحیح پیش نہیں کی جاسکتی ہے۔ پس جو بات قرآن و حدیث سے حرام ثابت نہ ہو اس کو اپنے خیال سے حرام سمجھ لینا از خود حرام ہے۔ کیونکہ حلال و حرام قرار دینے کا اختیار خدا و رسولؐ کو ہے اُمّت کے مولوی کو نہیں۔

ثبوت نمبر ۹۰: عزاداری تبلیغِ حق کا مؤثر ذریعہ ہے۔

عقلاً بلکہ مشاہدۃً بھی یہ ثابت ہے کہ مظلوم کی بات میں تاثیر ہوتی ہے مصائبِ اہلِ بیت کا تذکرہ بہت مؤثر ثابت ہوا ہے۔ ہر سال عزاداری کی بدولت لوگ گروہ در گروہ مذہب حقہ کے حلقے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ کشش اور جوق در جوق آمد اس بات کا ثبوت ہے کہ عزاداری تبلیغ کا بہت مؤثر ذریعہ ہے۔

ثبوت ۹۱: اگر عزاداری نہ ہوتی تو یزید لعین نبی بن چکا ہوتا!

جس طرح حسینؑ مظلوم نے دینِ محمدؐ کی حفاظت کی ہے اس طرح حسینؑ کی عزاداری نے محمدؐ کی نبوت کو آنچ نہ آنے دی۔ اگر یہ ماتم داریاں، غمگساریاں اور تعزیت فرمائیاں نہ ہوتیں تو بعید نہ تھا کہ لوگ محمدؐ کی بجائے یزید لعین کی نبوت پر ایمان لے آتے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں لکھا ہے کہ "(لوگوں میں) یزید کی نسبت تین قسم کی رائے والے لوگ ہیں ایک وہ جو اس کو صحابہ میں شمار کرتے ہیں دوسرے اسے خلفائے راشدین میں داخل سمجھتے ہیں اور تیسرے انبیاء میں شامل کرتے ہیں۔" (منہاج السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ مطبوعہ مصر)

پس اگر عزاداری کو بند کر دیا جائے تو بعد از خاتم النبیین پھر یزید کی جھوٹی نبوت کا دروازہ کھل جائے۔

ثبوت ۹۲: عزاداری کی مخالفت بجائے خود اسے حق ثابت کرتی ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہر طرح کے لہو و لعب اور ہنگامہ زمانہ گوارہ کرلئے جاتے ہیں مگر عزاداری کے نام سے بھی مروڑ شروع ہو جاتے ہیں حالانکہ اس سے مخالفین کا ذرہ بھر بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا تو تعجب سے اس کا باعث تلاش کرتے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عزاداری سے ظالموں کے ظلم سے پردے اٹھتے ہیں جو ان کے بہی خواہوں کو گوارہ نہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عزادار ظالموں کے ظلم کی تشہیر کرتے ہیں جب کہ دوسرے

اس کو پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا کوشش کرتے ہیں کہ حسینؑ کا ذکر حرام قرار پا جائے۔ لیکن کرنا خدا کا ایسا ہے کہ اس کی جتنی بندش و رکاوٹ کی کوشش کی جاتی ہے یہ ذکر اتنا ہی ابھرتا ہے۔ کیونکہ حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس شدید مخالفت کے باوجود عزاداری کا جاری رہنا اس کے حق ہونے کی فاخرہ دلیل ہے۔

ثبوت ۹۳: عزاداری اخلاق ساز ہے۔

رسوماتِ عزاداری کو اگر صدق دل اور صاف نیت سے دیکھا جائے تو تعمیرِ اخلاقِ انسانی کے لئے بہت موثر طریقہ ہے کہ مجالس میں سبق آموز حکایات کا ذکر، جلوس میں تنظیم و ضبط کا لحاظ، ظلم کے خلاف نفرت کے جذبات کی پیدائش، اظہارِ حق کرنے کا اعلیٰ جذبہ، احسان شناسی کا مظاہرہ، درود و ذکر و اذکار سے عبادت کا ثواب، کلمہ حق کا ناسازگار حالات میں اجراء، جہاد فی سبیل اللہ کی تعلیمات، عقیدت کے اسلوب، ایمان کا استحکام، صبر و تحمل کے درس و تدریس، شجاعت کے کارنامے اور حقیقی تعلیماتِ اسلامیہ کے فوائد وغیرہ ایسی اچھی باتیں ہیں جن کو سیکھ کر انسان عملی زندگی میں اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کر سکتا ہے۔ پس کوئی بھی صاحبِ عقل و ادراک ایسی رسومات کی مخالفت نہیں کر سکتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی خفیہ سازش اس کے دل میں کارفرما نہ ہو۔

ثبوت ۹۴: عزاداری "یزیدیت" اور "حسینیت" میں امتیاز پیدا کرتی ہے

اگر عزاداری کا رواج نہ ہوتا تو حسینیت و یزیدیت میں امتیاز کرنا محال ہو جاتا۔

جیسا کہ لوگوں نے یزیدؔ لعین کو امامت و نبوت تک کے تاج پہنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ عزاداری ہی ہے کہ یزید لعین کا نام آج داخلِ دشنام ہے ورنہ یزیدی ٹولہ تو اپنے اس خلیفہ کو زمرۂ انبیاء میں داخل کر چکا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ

"بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ (یزید لعین) امام تھا، عادل تھا، ہادی تھا اور مہدی تھا۔ اور صحابی کیا وہ تو اکابر صحابہ (رسولؐ) میں داخل تھا۔ اور وہ خدا کے اولیا میں سے تھا۔ اور اس بنا پر وہ لوگ اس کو زمرۂ انبیاءؑ میں شمار کرتے ہیں۔" (وصیۃ الکبریٰ ص ۳ مطبوعہ مصر)

پس اگر ماتمی ٹولہ عزاداری کو اپنا سرمایۂ مذہب قرار نہ دیتا تو اب اسلام کا نقشہ اُلٹ ہوتا۔ یہ عزاداری ہی کا کمال ہے کہ یزید کو رسولؐ کا چھٹا خلیفہ لکھنے والے لوگ بھی اپنی اولاد کا نام یزید رکھنے میں قباحت و کراہت کرتے نظر آتے ہیں۔

ثبوت ۹۵:۔ حسینؑ کی عزاداری دراصل رسولؐ کی عزاداری ہے

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے فلسفۂ شہادت کے تمہیدی بیان میں تحریر کیا ہے کہ حسین علیہ السلام کی شہادت درحقیقت حسین کے نانا حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شہادت جلی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عزاداری سیّدالشہداءؑ فی الحقیقت سیّدالمرسلین، خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزاداری ہے۔ (سرّ الشہادتین)

ثبوت ۹۶:۔ عزاداری سے رسولِ اکرمؐ راضی ہوتے ہیں

انسانی معاشرہ میں ابتدا سے مشاہدہ کیا گیا ہے کہ کسی بھی سوگوار گھرانے سے

اظہارِ تعزیت کرنے پر ماتم دار گھرانہ شکر گذار ہوتا ہے اور اس کو روحانی تسکین حاصل ہوتی ہے۔ ایسی مثال پیش کرنا مشکل ہے کہ کسی بھی مصیبت زدہ گھرانے کسی تعزیت گذار سے بُرا سلوک کیا ہو۔ چنانچہ انسانیت کے اس تمدّنی قانون کے مطابق یہ امر امکان سے باہر ہے کہ رسولؐ اپنے خاندان کے مصائب پر اظہارِ تعزیت کرنے والوں سے راضی نہ ہوں کیونکہ آپ خلقِ عظیم پیغمبرؐ ہیں۔

ثبوت ۹۷:۔ عزاداری قانوناً اور شرعاً جائز ہے

جب کسی مذہب والوں کو ان کے امام کسی کام کی اجازت دیں تو وہ کام اس مذہب والوں کے لئے شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اور کسی دوسرے مذہب والے کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ اب چونکہ شیعوں کے آئمہؑ نے عزاداری سیّدالشہداءؑ کی عام اجازت دی ہے اس لئے یہ قانوناً اور شرعاً جائز ہے۔

ثبوت ۹۸:۔ ایک غیر مسلم جج کا عزاداری کے متعلق فیصلہ

"شیعے لوگ سالانہ حسینؑ کی عزاداری برپا کرتے ہیں۔ یہ عزاداری صرف نمائشی اور ظاہری نہیں ہوتی بلکہ قلبی اور سچی عزاداری غمخواری اور صدمہ کے ساتھ ہوتی ہے۔" (جسٹس ارنالڈ جلد ۱۲ بمبئی ہائیکورٹ رپورٹ ص ۳۳۳ بحوالہ نورِ ایمان ص ۳۸۳)

پس ایک غیر مسلم جج کا یہ نظریہ عزاداری کے مستحسن ہونے کا کامل ثبوت ہے۔

ثبوت ۹۹:۔ جماعت مخالفین عملاً رسوماتِ عزاداری کے آگے ہتھیار ڈال چکی ہے۔

اللہ کی شان ہے کہ جن لوگوں کی زبانیں رسوماتِ عزاداری کو بدعت و

ناجائز کہتے کہتے تھکتی نہیں ہیں۔ وہ اب رفتہ رفتہ مجبور ہو کر عملاً ان ہی رسومات کا ارتکاب کرنے لگے ہیں۔ عید میلاد النبیؐ کے موقعہ پر عظیم الشان جلوس نکالنا گلی کوچوں میں مقدس نام دے کر قوالیاں گانا اور نعتیں پڑھنا۔ جھنڈے بنا کر اور گوٹہ کناری سے سجا کر نکالنا۔ گھوڑا اچھوڑا اونٹ بیل حتیٰ کہ ٹرک اور موٹر گاڑیوں کو سجا بنا کرلے جانا، نعرے لگانا سب کچھ ہوتا ہے۔ عزاداری کے اثرات دیکھتے ہوئے اور روز بروز اپنی کثرت میں کمی محسوس کرتے ہوئے اب عزاداری سیدالشہداؑ نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا ہے۔ نیندیں اڑا دی ہیں۔ بڑا زور لگا چکے کہ عزاداری بند ہو جائے لاکھ جتن کئے کہ نام حسینؑ مٹ جائے۔ واعظ پر ذکر حسینؑ کو حرام قرار دیا مگر سب تدبیریں اُلٹ ہو گئیں۔ بالآخر اب آخری تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ آہستہ آہستہ شیعہ خصائل جزوًا اپنے میں ضم کرنے کی ترکیب آزمائی جا رہی ہے۔ اب دیکھیں اس میں ناکامی پر کب سر پیٹتے ہیں کہ کسر صرف پیٹنے کی رہ گئی ہے۔ اب چونکہ تمام شیعہ رسومات عملاً انہوں نے اپنے ہاں جاری کر لی ہیں۔ لہٰذا ڈھنڈورہ پیٹا جا رہا ہے کہ "مخالف کی مجالس، جلوس اور مذہبی تقریبات اور نعرہ بازی سے احتیاب کریں۔ اپنے ریڈیو اور ٹیپ سے ان کے مذہبی گیت نہ سنیں"۔ دیکھئے اب یہ وقت بتائے گا کہ یہ حربہ کس حد تک کارگر ہوتا ہے۔ اگر یہ سب بدعت ہے تو پھر خود کیوں کرتے ہیں۔

ثبوت نمبر ۱:۔ رسولؐ صادق کا صدیقہ کونینؑ سے وعدہ عزادار کی یقینی نجات

"حضرت شفیع المذنبین سید المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی دختر صدیقۃ الکبریٰ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا سے

فرمایا میری اُمت کی عورتیں میرے اہلبیت کی عورتوں کے مصائب پر گریہ زاری کریں گی اور میری اُمت کے مرد میرے اہلبیتؑ کے مردوں کی مصیبتوں پر روئیں گے اور وہ ہر سال نسل بعد نسل میرے اہلبیتؑ کے مصائب کی یاد تازہ کرتے رہیں گے جب قیامت کا دن ہو گا تو تم (بی بی پاکؑ) عزادار خواتین کی شفاعت کرو گی اور میں (حضورؐ) عزادار مردوں کی شفاعت کروں گا۔ جو شخص بھی حسینؑ کے مصائب پر بکا کریگا تو ہم اسے ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ (بحار الانوار جلد نمبر ۱۰ صفحہ ۱۶۷)

عاصی مشتاق غلام حسینؑ مظلوم یہاں عرض کرتا ہے کہ حدیث منقول سے ثابت ہوا کہ حضورؐ نے اسی مرد و عورت کو اپنی اُمت میں داخل کیا ہے جو عزادارِ اہلبیتؑ ہو۔ پس ایمان بالرسالت محمدؐ کا تقاضہ یہ ہے کہ اہلبیتؑ رسالت کے مصائب پر عزاداری کے تمام تقاضے پورے کئے جائیں۔ تاکہ آخرت میں سرخروئی ہو۔ نجات یقینی ہو۔ المختصر ثبوت آخر حاضر کیا۔ ستر اثبات پورے ہوئے۔ پیغام پہنچا دیا گیا۔ وکفیٰ باللہ وکیلا۔

پس ہم ماتم اس لئے کرتے ہیں کہ ہم محمدؐ کی اُمت ہونے کے دعویدار ہیں۔ اگر ان کے اہلبیتؑ کی مصیبتوں پر عزاداری سے منہ موڑیں گے تو شفاعت کرنے والا رسولؐ ہم سے منہ پھیرلے گا۔ علی لعنۃ اللہ قوم الظالمین۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ عَلَیْھِمُ السَّلَام۔